ھتی قبر
: اکرم الہ آبادی
شائع کیا

جاسوسی دائرہ سیریز

کراہتی قبر

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

شہرِ خموشاں

ہمیشہ کی طرح آج کی رات بھی بھیانک، اداس اور ویران تھی۔ بھیانک اس لیے کہ مشن چرچ کے عقبی کمپاؤنڈ میں دور تک مردے ہی مردے سوئے ہوئے تھے۔ یہ قبرستان سو سال پرانا تھا۔ اتنا ہی پرانا، جتنی پرانی یہ گرجا کی عمارت اور اس کے سامنے کے حصے میں کھدا ہوا اکہرے ڈول کا کنواں تھا۔

سو سال قبل جب انگریزوں کا راج تھا۔ اور اس شہر کے نزدیک فوجی چھاؤنی بسائی گئی تھی، جینے والے انگریزوں کے لیے فوجی بیرکیں بنائی گئی تھیں اور مرنے والوں کے لیے یہ قبرستان۔ بعد میں اس کا احاطہ گھیر کر یہاں ایک چھوٹا سا گرجا بھی قائم کر دیا گیا، جہاں پہلے پہل صرف انگریز فوجی ہی عبادت کے لیے جایا کرتے تھے، مگر دیسی باسندوں میں عیسائیت کے مشنوں کے پرچار کرنے کے بعد وہ دیسی عیسائی بھی جانے لگے، جن کی عقیدت نئی نئی تھی، مگر ان پرانوں سے پختہ تھی جو رسماً ہفتے میں ایک دن حاضری دے لیا کرتے تھے۔ پھر رفتہ رفتہ یہ چھاؤنی ایک بڑی آبادی میں تبدیل ہو گئی۔ حالانکہ نام تب بھی اس کا سا گر کینٹ ہی رہا۔ آج بھی یہ آبادی اسی نام سے پکاری جاتی تھی۔ چھاؤنی کا یہ گرجا آبادی سے تقریباً ایک میل دور تھا، کیونکہ اس کے ساتھ قبرستان بھی منسلک تھا۔

سو سال کی مدت میں یہاں کے زندہ عیسائیوں کے ساتھ ساتھ مردہ عیسائیوں کی تعداد بھی کافی بڑھ چکی تھی۔ اس لیے قبرستان میں ریکارڈ اور شناخت میں آسانی کے لیے قبروں کو نمبر دے دیے گئے تھے۔ مشنری کے پاس پیسے کی کمی نہ تھی، اس لیے قبرستان کے لیے ایک چوکیدار بھی رکھ دیا گیا تھا، جو تھا تو بوڑھا ہی، مگر قوی کا مضبوط تھا۔ وہ

مسلمان تھا اور اس کا نام پیر خان تھا۔ وہ مقامی پٹھانوں میں سے ہی تھا اور اس کے باپ دادا یہاں پر شہر سے ہی آئے تھے۔ گرجا کے پرانے پادری تو زیادہ روادار اور مدبر تھے، اس لیے کام کے سوا انھوں نے پیر خان سے کوئی واسطہ نہیں رکھا تھا، مگر گرجا کے نئے پادری فادر جیکسن جب سے آئے تھے، کئی بار پیر خان کو اپنی تبلیغ کے زور سے عیسائی بنانے کی کوشش کر چکے تھے اور ہر بار پیر خان ان کی تمام تر کوششوں کو یہ کہہ کر رد کر گیا تھا کہ میں ایسے خدا کو نہیں مانتا جس کا کوئی بیٹا بھی ہو۔ میرا خدا تو نہ کسی سے پیدا ہوا نہ وہ کسی کا باپ ہے۔ وہ انسانی رشتوں سے بالاتر ہے۔ جس کے نہ انسانوں کی طرح ہاتھ پیر ہیں نہ کان ناک اور آنکھیں۔ پھر بھی وہ سب کچھ دیکھتا ہے، سب کچھ سنتا ہے اور سب کچھ کرتا ہے۔

فادر جیکسن کو نہیں معلوم تھا کہ پیر خان خود بھی اپنے مذہب کے متعلق اس قدر معلومات رکھتا ہے۔ اس لیے وہ بلا خر یہ سمجھ کر چپ ہو رہے کہ وہ ان کی تبلیغ سے اثر لینے والوں میں سے نہیں ہے، مگر اس سے پیر خان کے بارے میں ان کی رائے میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ اسے ایک نیک، سچا اور فرض شناس آدمی ہی سمجھتے تھے اور ایسے ہی خیالات پیر خان کے ان تمام پادریوں کے بارے میں بھی تھے، جو یہاں آتے رہے تھے۔ عیسائیت ان کا اپنا مذہب و یقین تھا، مگر وہ اس کی تبلیغ صداقت و محنت سے کرتے تھے، اس لیے وہ ان کی عزت کرتا تھا۔ وہ ان لوگوں کو بھی اچھی نظروں سے دیکھتا تھا، جو یہاں اکثر عبادت کرنے آیا کرتے تھے، لیکن بعض ایسے بھی آتے تھے جو فادر جیکسن کے سامنے اپنے پچھلے گناہوں کا اقرار کرنے کے بعد جب باہر نکلتے تو ان کے چہروں پر اگلے گناہوں کے ارادوں کی پھٹکار برستی رہتی۔ ایسے لوگوں کو وہ قیافے سے ہی جان لیا کرتا تھا اور ان سے کبھی بات نہ کرتا۔

وہ قبرستان کے احاطے کے دوسرے کونے پر بنے ہوئے ایک دو کمروں والے کوارٹر یا مکان میں رہتا تھا۔ جوانی میں کبھی شادی ہوئی تھی، مگر بیوی کے مرجانے

کے بعد اس نے دوبارہ شادی کرنے کا تصور بھی نہیں کیا۔

اس کی اور فادر جیکسن کی زندگی میں اتنا ہی تضاد تھا، جس قدر جیکسن اور پیر خان میں ہوسکتا تھا۔اس کی اپنی دنیا، اپنے کوارٹر یا مکان سے لے کر ان گنت قبروں کی ویران بستی تک محدود تھی، جن سے کسی قسم کا خوف محسوس ہونے کی بجائے ایک ایسا لگاؤ محسوس ہوتا تھا جو کسی باغبان کو اپنے چمن سے ہوا کرتا ہے۔اس نے اپنی ہمت سے اس قبرستان میں قبروں کے درمیان پھولوں کے تختے بنائے تھے۔وہ ان کی صفائی بھی خود کرتا اور خود ہی انھیں سینچا کرتا۔اس نے اس ہمیشہ خاموش پڑے ہوئے ویرانے میں بھی قدرتی بہاروں کے رنگ بکھیر دیے تھے، لیکن اس کیفیت کو صرف وہی محسوس کرسکتا تھا۔ دوسروں کے لیے تو یہ پھولوں کے تختے، شفاف روشیں سب اتنی ہی بے جان تھیں، اتنی ہی دور افتادہ، جس قدر ان سے بچھڑے ہوئے لوگ۔

فادر جیکسن کی دنیا اس سے مختلف نہ تھی۔قبرستان میں ان کے قدم اسی دن آیا کرتے تھے، جس دن انھیں کسی کی تدفین کی رسومات میں دعائیہ کے لیے شریک ہونا پڑتا۔ورنہ وہ خدا اور بندوں کے درمیان واسطہ بنے اپنے گرجا میں ہی محدود رہتے۔کبھی اگر شہر کی طرف کسی مریض کی عیادت یا مشن کے کام سے بھی جانا ہوتا تو جا کر لوٹ آتے۔مذہبی امور پر مشورے لینے یا اظہارِ عقیدت کے لیے لوگ خود ہی آ پہنچتے تھے، ورنہ فرصت کے اوقات میں یا تو کتب کے مطالعے میں مصروف رہتے یا چھاؤنی کی طرف تبلیغ وغیرہ کے کاموں میں نکل جاتے۔

☆☆☆☆☆☆

اس وقت رات حالانکہ ابتدائی مراحل سے گزر کر شبنم سے بھیک مانگ رہی تھی اور گرجا کے آس پاس ایک بھیانک سناٹا مسلط ہو چکا تھا۔فادر جیکسن پچھلے برآمدے میں آرام

کرسی ڈالے اور پاس ہی تپائی پر ایک بڑی چمنی کا روشن لیمپ رکھے کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے۔ بوڑھا پیر خان رات کے کھانے کے بعد، جو وہ اپنے لیے اپنے ہاتھوں سے ہی بنایا کرتا تھا، کچھ دیر قیلولہ کر کے قبرستان کا چکر کاٹنے نکلا تھا۔ اسے ان بے جان قبروں سے جو رات کے اندھیرے میں مٹی کے تودوں کی طرح نظر آتیں، کوئی خوف نہ محسوس ہوتا تھا۔ اپنی موٹے شیشے کی پرانی سی لالٹین لیے وہ جب ان کے درمیان سے گزرتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے اپنے مکان کے صحن میں ٹہل رہا ہوں۔ پھر وہ جب تھکن محسوس کرتا تو کسی قبر کے قریب ہی لالٹین رکھ کر اس کے تکیے سے ٹک کر بیٹھ جاتا اور جیب یا کان سے بیڑی نکال کر اسے سلگا کر لمبے کش لینے لگا۔ یہ بیڑی اس کے تنہائی کے لمحوں کی بڑی پرانی رفیق تھی۔ اس کے مکان میں ہمیشہ بیڑی کے جلے ہوئے ٹکڑے بکھرے ہوتے تھے۔ اس کے سوا وہ کوئی نشہ نہیں کرتا تھا۔ اس کی داڑھی اور سر کے بال ہمیشہ بکھرے اور خشک رہتے۔ وہ کبھی سر میں تیل ڈالتا تھا نہ کنگھی کرتا تھا۔ بدن پر کپڑے بھی جو ہوتے وہ اپنے ہی ہاتھوں سے دھوئے ہوئے ہوتے۔ اس لیے ان کے دھلے ہونے نہ ہونے میں فرق کرنا مشکل ہی ہوتا۔ رات کو کیونکہ کھلی جگہ ہونے کی وجہ سے خنکی زیادہ محسوس ہوتی تھی۔ اس لیے وہ روئی بھرا ہوا ایک لبادہ پہن لیا کرتا تھا جو اسے اس کے باپ سے ورثے میں ملا تھا اور جسے کئی بار دھونے کے بعد اب روئی کی گرمی بھی ختم ہو چکی تھی۔ مگر احساس بڑی چیز ہے۔ وہ اسے پہن کر خود کو ہر طرح سردی سے محفوظ سمجھا کرتا تھا۔ اسے اندھیرے میں اگر کوئی اجنبی اس حلیے میں دیکھ لیتا تو یقیناً ڈر جاتا، کیونکہ اس طرح قبروں کے درمیان ٹہلتے ہوئے وہ خود بھی اسی قبرستان کی کوئی بوڑھی روح معلوم ہوتا تھا۔

اس نے لالٹین ایک قبر کے تکیے سے لٹکا دی اور قریب کی دوسری قبر سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ کان میں ایک اَدھ جلی بیڑی نہ جانے کب سے رکھی ہوئی تھی، اس نے اسے نکال لیا اور لالٹین کی چمنی اونچی کر کے اسے سلگاتے ہوئے لمبے لمبے کش لینے لگا۔

یا تو آج وہ کھانا زیادہ کھا گیا تھا، یا شاید تکان زیادہ تھی، وہ بیڑی پیتے پیتے ہی

خراٹے لینے لگا۔اور اسے اس کی بھی سدھ نہ رہی کہ لالٹین کی بتی ہی دھیمی کر دیتا۔

فادر جیکسن نے کلائی کی گھڑی دیکھی، ساڑھے بارہ بج رہے تھے۔وہ کتاب بند کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔قبرستان میں لالٹین کی روشنی دیکھ کر انھوں نے پیر خان کو آواز دی، مگر جب انھیں جواب نہیں ملا تو خود اٹھ کر قبرستان گئے۔لالٹین کی روشنی پر نظریں جمائے ہوئے جب وہ احتیاط سے قبروں کے درمیان سے چلتے ہوئے قریب پہنچے تو انھیں پیر خان کے خراٹے سنائی دیے۔وہ اسے اس عالم میں دیکھ کر مسکرا دیے۔انھوں نے اسے جگانا مناسب نہ سمجھا، صرف لالٹین کی روشنی دھیمی کر دی اور دبے پاؤں واپس لوٹنے لگے۔ابھی تھوڑی ہی دور آئے تھے کہ انھیں کسی کے کراہنے کی آواز نے چونکا دیا۔پیر خاں اپنی چھتری داڑھی میں مچھر ڈھونڈ رہا تھا، مگر نیند کا وہی عالم تھا۔

''ایک حقیر مچھر اتنے بڑے ڈیل ڈول کے انسان کو کراہ اٹھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔''

وہ بڑبڑائے اور پھر مسکراتے ہوئے اپنے برآمدے میں لوٹ آئے۔

پیر خان کی آنکھ کھل گئی۔وہ کوئی آواز ہی تھی جس نے اسے سوتے سے چونکا دیا تھا۔ اس کے کان کھڑے ہو گئے اور ہاتھ لالٹین کی طرف چلا گیا۔ہوا ضرور تیز چل رہی تھی، لیکن اتنی تیز نہ تھی کہ درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ کانوں کو کوئی آواز نہ سننے دے۔

دوبارہ کسی کے کراہنے کی آواز سن کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

آواز ایسی تھی جیسے کوئی شدید اذیت کے عالم میں کراہ رہا ہو۔آواز مدھم ضرور تھی، مگر صاف اور انتہائی دردناک تھی۔

''اوخدا، کوئی بیمار تو نہیں آ گھسا ہے قبرستان میں۔'' وہ بڑبڑایا اور پھر لالٹین کی روشنی اونچی کر کے قبروں کے درمیان کراہنے والے کو تلاش کرنے لگا۔اسے کوئی نظر نہ آیا۔مگر کراہنے کی آواز اسے پھر سنائی دی۔اور معاً ایک عجیب سے خیال سے وہ لرز اٹھا۔

جب کوئی دکھائی نہیں دیتا تو یہ آواز کس کا ہے؟ کہاں سے آ رہی ہے؟ مگر وہ اس

Akram Allahabadi

ماحول کا عادی تھا، اس لیے اس نے دو چار بار درود پڑھ کر اپنے دل کو پھر مضبوط کر لیا اور لالٹین ہاتھ میں اونچی لے کر ادھر ادھر نظریں دوڑانے لگا۔

اچانک ایک درخت کے قریب بنی ہوئی ایک قبر کے نزدیک سے گزرتے ہوئے وہ ٹھٹک کر گیا۔ کراہنے کی وہ دردناک آواز بالکل قریب سے آئی تھی۔

کہیں اس درخت پر تو کوئی بھوت یا روح نہیں چڑھی ہوئی ہے۔ اس کے پرانے دماغ نے سوچا۔ اور وہ سر اٹھا کر درخت کی طرف دیکھنے لگا۔ یہ درخت خود بھی اس ویرانے کی طرح خزاں رسیدہ تھا۔ تمام شاخیں ننگی اور خشک نظر آ رہی تھیں۔ شاید اس کی بھی زندگی ختم ہو چکی تھی۔ اس پر تو اسے کوئی سایہ بھی نظر نہ آیا۔ ابھی وہ چکرایا ہوا سا اوپر دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ آواز اسے پھر سنائی دی۔ اس کا سر فوراً جھک گیا۔ آواز نیچے سے ہی آئی تھی اور قریب سے ہی۔

اچانک ایک نیا خیال اس کے ذہن میں رینگنے لگا۔ جس کے ساتھ ہی اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ درخت کے نزدیک بنی ہوئی دوسری ایک قبر نئی تھی۔ یہاں کوئی پچھلے ہفتے میں ہی دفن کیا گیا تھا، اسے یاد آ گیا۔ وہ ایک جوان عورت تھی، جس کی موت ٹی بی کے مرض میں واقع ہوئی تھی۔ اسے مشن کی طرف سے اس قبرستان میں دفنایا گیا تھا۔ شاید کوئی وصیت ایسی رہی ہو۔ بہر حال تفصیلات تو فادر جیکسن ہی جانتے ہوں گے۔

آواز اسی قبر کی طرف سے آئی تھی۔ پہلے تو وہ خوفزدہ ہو کر وہیں کھڑا رہ گیا۔ برس ہا برس سے تہ خاک سوتے ہوئے مردوں سے خوف نہ کھانا اور چیز تھی، لیکن کسی قبر سے کراہنے کی آواز سن کر قدرتی طور پر ایک نامعلوم سا خوف اس کے دل و دماغ پر چھا گیا۔ وہ اتنی تازہ قبر بھی نہ تھی کہ اس پر مرنے والے کے سکتے سے مر کر جی اٹھنے کا بھی گمان ہو سکتا۔ اسے تو ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ کچھ دیر تک وہ اس عالم میں کھڑا رہا۔ اسے یاد آ گیا کہ وہ تو ان سوئے ہوئے مردوں کا خدمت گزار ہے، پھر اسے ان سے نہ ڈرنا چاہیے۔ اس نے جی کڑا کر دو چار بار درود پڑھا۔ اسے ان سے نہ ڈرنا چاہیے۔ اور لالٹین سنبھالے اس قبر کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا شک درست

نکلا۔اس نے غور سے سنا۔کراہنے کی آواز اسی قبر سے آرہی تھی اور وہ اسی کے پاس کھڑا تھا۔ اتنے قریب سے اس قبر سے سنائی دینے والی یہ آواز سن کر دوبارہ اس کے جسم پر لرزہ طاری ہوگیا۔قبر مسلم تھی۔پرانی یا ٹوٹی ہوتی تو یہ شک ہوسکتا تھا کہ کوئی زخمی یا بیمار کسی ڈر سے اس کے اندر گھس کر چھپ گیا ہو۔اس کی ہمت نہ ہوئی کہ وہاں کھڑا رہ سکے۔اس نے کانپتے ہاتھ سے پھر لالٹین سنبھالی اور بوجھل قدم اٹھاتا ہوا اس قبر سے دور ہوگیا۔اب وہ فادر جیکسن کے کمرے کی طرف جارہا تھا۔گرجا میں ان کی خواب گاہ پشت پر علاحدہ بنی ہوئی تھی۔اور شاید وہ سو چکے تھے، کیونکہ کھڑکیوں میں روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔

اس نے دروازے پر پہنچ کر ڈرتے ڈرتے دروازہ کھٹکھٹایا۔اسے چند سیکنڈ بعد ہی اندر سے فادر جیکسن کی آواز سنائی دی۔

''کون ہے اس وقت؟''

''میں ہوں، صاحب، پیر جان۔''

''اوہ، کیا بات ہے؟'' وہ اندر سے اٹھ کر دروازے کی طرف آتے ہوئے بولے۔ پھر انھوں نے دروازہ کھول دیا۔انھیں پیر جان دروازے پر لالٹین لیے کھڑا نظر آیا۔وہ کانپ رہا تھا اور چہرے پر خوف کے آثار نمایاں تھے۔

''کیا ہوا، پیر جان؟'' انھوں نے نرمی سے پوچھا۔

''صاحب۔'' بوڑھا پیر جان پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بولا۔''ایک قبر سے کراہنے کی آواز آرہی ہے۔'' اس نے بتایا۔

''کراہنے کی آواز...؟ قبر سے...؟'' فادر جیکسن نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا، جیسے انھیں شک ہو رہا ہو کہ پیر جان نے آج کوئی نشہ آور شے پی لی ہے۔

''نہیں، صاحب۔میں سچ کہتا ہوں۔آپ خود چل کر سن لیجیے۔'' پیر جان نے ان کا مطلب سمجھ کر انھیں یقین دلایا۔

''اچھا ٹھہرو میں چلتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ اندر چلے گئے اور پھر جب باہر آئے تو گون پہنے ہوئے اور ہاتھ میں ٹارچ لیے ہوئے تھے۔ پیر خان اس قبر کی طرف ان کی رہنمائی کرتا رہا۔ وہ دونوں اس کے سرہانے جا کر کھڑے ہو گئے۔

''یہ تو اس عورت کی قبر ہے جو مشن اسپتال سے آئی تھی۔'' فادر جیکسن نے کہا۔

پیر خان کچھ نہ بولا۔ اور فادر جیکسن اس سناٹے میں بے جان سے کھڑے اس قبر کی طرف دیکھتے رہے۔ پھر وہ پیر خان کی شکل دیکھنے لگے۔ شاید یہ جتانے کے لیے کہ اس نے بیکار ان کا وقت ضائع کیا اور نیند خراب کی۔ پیر خان خود حیران تھا۔ وہ اپنے کانوں سے اس قبر سے کراہنے کی آواز سن کر گیا تھا۔ پھر اس وقت یہ خاموشی کیسی۔

''خیر جاؤ، سو جاؤ۔ شاید تمہارے دماغ پر ابخرات چڑھ گئے ہیں۔'' فادر جیکسن پیر خان سے یہ کہتے ہوئے پلٹ ہی رہے تھے کہ ان کے قدم رک گئے۔

واقعی کسی کے کراہنے کی آواز سنائی دی تھی۔

''سنیے، سنیے، کیا میں جھوٹ کہہ رہا تھا؟'' پیر خان نے جلدی سے کہا اور فادر جیکسن پھر لوٹ کر اس قبر کے پاس آ گئے۔ کچھ دیر بعد پھر انھیں اس قبر سے کراہنے کی آواز سنائی دی۔ اور اس بار فادر جیکسن بھی دنگ رہ گئے۔

''واقعی۔'' وہ بڑبڑائے۔ پھر سوچ میں پڑ گئے۔

کراہنے کی آواز تھوڑی تھوڑی دیر بعد اس قبر سے سنائی دے رہی تھی۔

''معلوم ہوتا ہے یہ روح کسی شدید اذیت مبتلا ہے۔ آسمانی باپ اس کے گناہ معاف کرے۔'' فادر جیکسن نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''میں نے بھی مولویوں سے سنا ہے کہ گناہگاروں پر قبر میں عذاب ہوتا ہے۔'' پیر خان بھی بولے بغیر نہ رہا۔

''ہاں۔ مگر یہ بیچاری بڑی تکلیف اٹھا کر مری تھی۔''

Akram Allahabadi

''اللہ جانے۔''

فادر جیکسن اس روح کو عذابِ قبر سے نجات دلانے کے لیے اس کے کتبے پر ہاتھ رکھ کر دعائیں پڑھنے لگے اور پیر خان بھی زیرِ لب اس کی بخشش کے لیے خدا سے دعائیں مانگنے لگا۔

''اے آسمانی باپ، یسوع مسیح کے صدقے میں اس روح کو سکونِ ابدی عطا فرما۔''

یہ کہتے ہوئے فادر جیکسن نے قبر کے سینے پر انگلی سے صلیب کا نشان بنایا اور پیچھے ہٹ آئے۔

قبر سے ایک بار اور کراہنے کی آواز آئی پھر خاموشی چھا گئی اور وہ دونوں گہری سوچ میں غرق لوٹ آئے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

۱۹۴۳ء کا ایک محاذِ جنگ

بن غازی کے قریب مشرقِ وسطیٰ کے ایک لق و دق ریگزار میں اتحادیوں کا ایک مشرقی محاذ جہاں اتحادی افواج کے دو ڈویژن جو راجپوتانہ رائفلز ہندوستانی تیرھویں انفنٹری، ایک برطانوی بری فوج کے انجینئرنگ گیریسن اور آسٹریلوی گولہ اندازوں کے ایک اسکواڈر پر مشتمل تھے، پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ انھیں تیل کے خزانوں والی اس سرزمین کی طرف پیش قدمی کرتی ہوئی جرمن افواج کے خلاف اقدامات کے ہائی کمان سے احکامات کا انتظار تھا۔

کیمپ کی کمان شاہی کمیشن کے ایک انگریز فوجی افسر بریگیڈیئر رسل کے ہاتھ میں تھی اور شاید اس دوسری جنگِ عظیم کی ہی برکت تھی کہ ایک مشترک مصیبت نے ان سفید اور کالے انسانوں کو یکجا کر کے ان کے درمیان سے دوئی کی دیوار ڈھا دی تھی۔ یہاں کالے اور گورے سب ایک تھے اور سب کا انجام بھی ایک، فتح یا موت۔

لیفٹننٹ ہیری ہالورتھ اس کیمپ کے مشرقی ڈویژن میں راجپوتانہ رائفلز کے ایک یونٹ کے کمانڈر کپتان ہیوڈ کا اسسٹنٹ تھا۔ وہ چھریرے بدن کا ایک ہنس مکھ انگریز تھا، جس نے اپنی زندگی کا زیادہ تر وقت ہندوستان میں گزارا تھا۔ رومن اردو کی تعلیم نے اسے ہندوستانی زبان سے اس قدر واقف کر دیا تھا کہ وہ با آسانی بول اور سمجھ سکتا تھا۔ صرف لکھنا اور پڑھنا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ بہرحال اس وجہ سے اس کی تقرری اس ہندوستانی یونٹ میں ہوئی تھی۔ اس کے بعض ساتھی تو کہتے تھے کہ اسے فوجی افسر ہونے کی بجائے کوئی فلمی ہیرو ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ وہ مردانہ حسن میں اگر لاکھوں میں ایک نہ سہی تو ہزاروں میں ایک ضرور کہا جا سکتا تھا۔ فوجیوں کی دلبستگی اور خدمت کے لیے جو لڑکیاں مختلف شعبوں میں بھرتی کی گئی تھیں۔ ان کا کام حالانکہ صرف اتنا ہی ہوتا کہ وہ فوجیوں سے بڑی نرمی اور اخلاق اور محبت سے پیش آئیں تاکہ وہ

خودکومعمول کی زندگی کے ماحول میں محسوس کریں اورمحاذ کی ہولناک فضا سے اکتاہٹ نہ محسوس ہو۔لیکن اسی کیمپ میں جتنی بھی لڑکیاں تھیں وہ سب ہی کسی نہ کسی بہانے لیفٹنٹ ہیری سے قریب ہونے کی کوشش کرتی رہتیں۔خود کپتان ہیوڈ کے دفتر میں جولیڈی وائرلیس آپریٹر تھی وہ بار بار ہیری کواپنی زلف گرہ گیر کا اسیر کرنے کی کوشش کر چکی تھی۔ ہنستا،کھیلتا نوجوان فوجی افسر اس کے دل ودماغ پر اس بری طرح چھا گیا تھا کہ ایک بار تو ایک سرکاری پیغام نشر کرتے ہوئے وہ کپتان ہیوڈ کی جگہ کپتان ہیری ہی بول گئی تھی اوراس کے لیے اسے بعد میں بریگیڈیئر کے سامنے پیش ہونا پڑا تھا۔اس کا نام ایلیور تھا۔

مگر پچھلے دو چار دونوں سے لیفٹنٹ ہیری بہت پریشان نظر آرہا تھا۔تقریباً دو ہفتے سے اس کی ڈاک بند تھی۔اسے ہمیشہ ہندوستان سے چند ضروری خطوط کا انتظار رہتا اور جب اس کی ڈاک آتی تو وہ اس پر ٹوٹ پڑتا،لیکن دو ہفتے ہورہے تھے اور ہندوستان سے اس کا کوئی خط نہ آیا تھا۔اس یونٹ میں صرف کپتان ہیوڈ ہی اس کا رازدار تھا۔وہ اپنے عہدوں میں ڈسپلن کے پابند ضرور تھے،لیکن ان کی دوستی بھی ڈھکی چھپی نہ تھی۔مگر کپتان ہیوڈ کو بھی صرف اتنا معلوم تھا کہ ہندوستان میں اس کی ایک بیوی ہی ہے،جس کے خطوط کے لیے وہ بے چین رہتا ہے۔ ورنہ یہ بات اس کی سمجھ میں بھی نہیں آتی تھی کہ لیفٹنٹ ہیری کواپنی اس بیوی سے اتنا گہرا لگاؤ کیوں ہے۔کیونکہ یہ ذاتی معاملہ تھا،اس لیے اس بارے میں اس نے ہیری سے کبھی کوئی پوچھ تاچھ نہیں کی تھی۔

ہنستے بولتے ہیری کا اس طرح سنجیدہ ہوجانا دوسروں کے لیے بھی باعثِ تشویش تھا۔اس کے ماتحت بھی اسے نہ صرف پسند کرتے تھے،بلکہ دل میں بھی اس کے لیے عزت اور محبت رکھتے تھے۔کیمپ کے آفس میں بھی اس کی خاموشی پر تبصرے ہورہے تھے۔

کپتان ہیوڈ نے سوچا تھا کہ آج وہ اس سے اس تبدیلی کا سبب ضرور پوچھے گا،لیکن یہ اتفاق ہی تھا کہ اس شام کو بیٹھے بیٹھے اچانک وائرلیس پر ایک تشویشناک خبر آپہنچی۔یہ اطلاع

پیشرو محاذ کی تھی، جہاں سے زندہ رہ جانے والے ایک آخری زخمی ہندوستانی آفیسر نے وائرلیس پر کیمپ کو خبر دی تھی کہ جرمن ٹینک فورس کا ایک دستہ پیش رو محاذ پر اچانک حملہ آور ہو کر محاذ کا صفایا کر چکا ہے۔ ۱۱ آدمی قید کر لیے گئے، باقی مار دیے گئے اور خود وہ بھی دم توڑ رہا ہے۔ جرمن فورس اب کیمپ کی طرف بڑھ رہی ہے اور ممکن ہے کیمپ پر شب خون مارے، کیونکہ خانہ بدوش لٹیروں کا ایک قبائلی سردار ان کے ساتھ ہے۔

اس اطلاع کے ملتے ہی بریگیڈیئر رشل نے پورے کیمپ کو الرٹ کر دیا اور وائرلیس پر ہائی کمان کو فوری اطلاع دے دی گئی۔ جوابی پیش قدمی کا کیونکہ حکم نہ تھا، اس لیے حفاظتی اقدامات کے لیے کیمپ کے گرد گڑھے کھود لیے گئے اور بظاہر خاموشی کے ساتھ تمام تیاریاں مکمل کر لی گئیں۔

غروب آفتاب کے بعد ہی راجپوتانہ رائفلز کو حکم ملا کہ وہ کیمپ سے تقریباً ایک میل آگے ان گڑھوں میں پہنچ جائے جہاں سے آتے ہوئے دشمن پر اچانک چارج کیا جائے گا۔

رات کو کھانے کے بعد ہی راجپوتانہ رائفلز کے سپاہی اور آفیسر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گئے۔ نصف دائرے کی شکل میں اس فوج کو تین کمانوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا۔ شمالی مغربی حصے کی کمان خود کپتان ہیوڈ کے ہاتھ میں تھی، مرکز میں ایک ہندوستانی کپتان شریف انچارج تھا اور جنوب مغرب میں لیفٹننٹ ہیری ہالورتھ تھے۔

اندھیری رات میں دور زمین پر جھکی ہوئی آسمان کی چھت میں ٹمٹماتے ہوئے تاروں کی مدھم روشنی ان کے لیے اتنی ناکافی تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ سو گز کے آگے کوئی چٹان بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ بنجر ریگستان دور تک اپنے نشیب و فراز کے ساتھ پھیلتا چلا گیا اور دور ایک بہت چھوٹے سے نخلستانی خطے پر کھجور کے کچھ درخت بڑے مدھم سایوں کی طرح آسمان میں چھید کرتے نظر آ رہے تھے۔ ہوا کبھی کبھی رکی رکی سی معلوم ہوتی اور کبھی ذرا تیز چلنے لگتی۔ ریگستانوں کی سرزمین دوپہر میں تپتے ہوئے سورج تلے جتنی گرمی ہوتی ہے، راتوں میں اتنی ہی

Akram Allahabadi

خنک ہو جایا کرتی ہے۔

لیفٹننٹ ہیری جس ریتلی کھائی میں تھا، وہاں وائرلیس ٹیلی فون بھی موجود تھا۔ آس پاس کے گڑھوں میں یونٹ کے سپاہی مستعد موجود تھے۔ ان کی بندوقوں کا رخ سامنے کی طرف تھا اور ان کے کان معمولی سے کھٹکے کی آواز پر بھی کھڑے ہو جاتے۔ موت اور زندگی کے درمیان بہت تھوڑا سا فاصلہ تھا۔ مگر وہ اپنی جانیں تو فیلڈ سروس کے معاہدے IAFZ-2055 پر دستخط کر کے برطانوی حکومت کے ہاتھ بیچ چکے تھے اور میدانِ جنگ میں پہنچ کر ویسے بھی ہر فوجی فکرِ موت و زیست سے بے نیاز ہو جایا کرتا ہے۔ ایک طرح سے یہ جنگ مقدس بھی تھی، کیونکہ ایک سر پھرا ڈکٹیٹر اپنی طاقت کے زعم میں دنیا کو فتح کرنے اٹھا تھا اور باقی لوگ آپس میں مل کر اس کا مقابلہ کر رہے تھے۔

اچانک رات کو ٹھیک ۱۲ بجکر ۲۵ منٹ پر سامنے دونظر آنے والے ریت کے تودوں کے پیچھے سے ایک شعلہ چمکا اور اس کی لہر آسمان میں دوڑ کر غائب ہو گئی۔

وہ سب اپنی اپنی جگہ مستعد ہو کر اپنی کھائیوں میں دبک گئے اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی اس ویران سناٹے میں کپتان ہیوڈ کی آواز گونجتی سنائی دی۔

"چارج۔"

توپیں آگ اگلنے لگیں، مشین گنوں سے تڑاتڑ گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی اور ویران ریگستان کے سناٹے ایک دہشت ناک شور سے بھر گئے۔ دھواں، آگ اور چیخیں۔ سامنے کے تودوں کے پیچھے سے جو انسانی سائے ابھر رہے تھے، وہ اچھل اچھل کر گر رہے تھے۔ پھر ان کے پیچھے سے گولہ انداز ٹینک نکلنا شروع ہو گئے اور ان کے گولے راجپوتانہ رائفلز کے کمین گاہوں پر آ کر گرنے لگے۔ کئی سپاہی اچھل گرے، ہلاک ہوئے اور اس اچانک حملے سے لمحہ بھر کے لیے سپاہیوں میں ایک مایوس کن سنسنی پھیل گئی۔ مگر اسی وقت کپتان ہیوڈ نے آسمان کی طرف روشنی کا بم مارا اور سارا میدان لمحۂ نور بن گیا۔ انھوں نے دیکھا، وہ صرف پانچ ٹینک

تھے۔

کپتان ہیوڈ کے وائرلیس فون کے ساتھ ہی کیمپ کی طرف سے ٹینکوں کا ایک دستہ آگے بڑھ کر آ پہنچا اور پھر جم کر مقابلہ شروع ہوگیا۔اس میں شک نہیں کہ جرمن ٹینکس سے گولے مار رہے تھے اور ہر بار اسپارک بم کے ساتھ ان کے نشانے کچھ ایسے جچے تلے پڑتے کہ یونٹ کے کچھ نہ کچھ سپاہی ضرور موت کی زد میں آجاتے۔

اب ٹینکوں کی آڑ لے کر جرمن سپاہی بھی بیٹھتے، گرتے، لیٹتے، تیزی سے آگے بڑھنے لگے۔وہ مشین گنوں سے لیس تھے۔

''شاباش، آگے دو انھیں اور آگے۔'' کپتان چیخا۔

پھر کچھ دیر کے بعد ایک پیغام، وائرلیس پر لیفٹننٹ ہیری کو موصول ہوا۔

''لیفٹننٹ، بس اب مناسب موقع ہے۔ان جرمنوں پر جو میدان میں آچکے ہیں، تمہاری سمت سے باڑھ مارو۔'' حکم کے ملتے ہی لیفٹننٹ ہیری نے اپنے سپاہیوں کو الرٹ ہونے کا سگنل دیا اور پھر اچانک ایک فلیش لائٹ بم کے اسپارک کے ساتھ میدان روشن ہوتے ہی دائیں سمت سے گولیوں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔جرمنی سپاہی تواتر گرنے لگے اور اس کے باوجود کہ ان کی مشین گنوں سے بھی ایک دو ہندوستانی سپاہی بھی ہلاک ہونے لگے، ان کے قدم اکھڑ سے گئے اور ان کے ٹینکوں نے بھی پیچھے ہٹنا شروع کر دیا۔اتحادیوں کے ٹینک ان کا پیچھا کرنے لگے۔اور دور تک تعاقب کرتے ہوئے چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆

شب خون مارنے والے جرمن سپاہی منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی شکست سے دوچار ہوکر اپنے ساتھیوں کی لاشیں چھوڑ کر اندھیرے میں فرار ہو گئے۔مگر راجپوتانہ رائفلز کو اس پسپائی کا علم نہیں ہوا۔وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ یہ بھی جرمنوں کی کوئی چال ہے۔بن غازی میں انھیں

جرمن فوجوں کی ایسی بمباریوں کی کئی مثالیں سننے کو ملی تھیں۔اس لیے میدان میں توپوں کے گولوں اور بندوقوں کی فائرنگ کے علاوہ گولیوں کی بوچھاڑ کا شور ختم ہو جانے کے باوجود وہ اپنے گڑھوں میں چھپے رہے۔ریت کے بورے جوان کے ڈھال بنے ہوئے تھے اور جن کے پشتوں کی آڑ سے وہ فائرنگ کر رہے تھے،ان کے اردگرد ایک قسم کی چار دیواری کیے ہوئے تھے، ورنہ جرمنوں کی مشین گنوں سے ان کے جسم بھی چھلنی ہو گئے ہوتے۔

کافی دیر تک اس سناٹے کا مطالعہ کرنے کے بعد کپتان ہیوڈ نے اپنے ایک سارجنٹ کو فلیش لائٹ بم ہوا میں داغنے کا حکم دیا۔اس کے پھٹتے ہی دور تک بجلی کی چمک جیسی روشنی پھیل گئی اور انہیں میدان میں دشمنوں اور اپنے سپاہیوں کی لاشیں بکھری نظر آئیں۔ان میں سے کچھ شاید ابھی دم توڑ رہے تھے۔کیونکہ سناٹے میں ان کے کراہنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

لیفٹننٹ ہیری دیر تک کھویا کھویا سا اپنے پٹ میں بیٹھا رہا۔اسے یہ ہوش بھی نہ تھا کہ اس کے آس پاس کوئی نہیں ہے اور سپاہی گڑھوں سے باہر نکل چکے ہیں۔وہ حساس تھا اور اس کا دماغ اس وقت حیاتِ انسانی کا وہ حال سوچ رہا تھا جو اس کی آنکھیں اپنے سامنے دیکھ رہی تھیں۔چند منٹ قبل جو سپاہی اس کے سامنے ہنستے کھیلتے موجود تھے،اس وقت ریت اور خون میں غلطاں اور بے جان پڑے ہوئے تھے۔انسانوں کی ہی ایجاد کی ہوئی ایک ذرا سی بارود کی گولی جس نے پل بھر میں دنیا کی ہر شے سے زیادہ انمول زندگی کا خاتمہ کر دیا تھا۔جس نے بہت بڑا کام کیا تھا کہ انسان کو مار ڈالا تھا۔وہ انسان جس کے اشاروں پر تقدیریں بنتی بگڑتی ہیں،جن کی زبان پر زمین آسمان کے قلابے ملتے ہیں،جس کے جاہ وجلال کے سامنے خدائی جبروت کا تصور مدھم پڑ جاتا ہے۔قدرت کی وہ اعلاترین تخلیق،شہ زوروں کا شہ زور،موت کے پیروں تلے روندے ہوئے ایک حقیر کیڑے کی طرح ننھی سی ایک گولی پر دم دے کر بے جان و بے مصرف پڑا ہوا تھا۔لیفٹننٹ ہیری کو جھرجھری سی آ گئی۔ایک گولی اس کے بھی لگ جاتی تو وہ

اسی طرح اس ویرانے میں بھی اس کی لاش بے گوروکفن پڑی ہوتی۔کیا اسی انجام کے لیے یہ لڑائیاں لڑی جاتی ہیں۔کیا اسی لیے ان گنت انسانوں کا خون زمین کو پلا دیا جاتا ہے کہ چند پاگلوں کے جنون کا تسکین ہو جائے۔وہ پاگل جو چاہے شہنشاہوں کے شہنشاہوں، یا ڈکٹیٹروں کے ڈکٹیٹر۔مگر ایک حقیر سی گولی جنہیں ہمیشہ کے لیے زندوں کی صف سے خارج کر سکتی ہے۔ موت کا ایک جھٹکا جنہیں ہیئت سے نیست میں تبدیل کر سکتا ہے اور پھر زمین جن کی لاشوں کو اس طرح نگل جاتی ہے جیسے بھرے ہوئے بادل سے ایک قطرہ ٹپک کر کہیں جذب ہو گیا ہو۔

سوچتے سوچتے وہ ایک دم چونک پڑا۔

یہ کسی کے کراہنے کی آواز تھی۔اس نے گھوم کر دیکھا، پٹ سے باہر بھی کچھ لاشیں پڑی ہوئی تھیں، جو دوسرے گڑھے سے نکل کر اِس گڑھے میں آ کودنے کی کوشش کرنے والے اس کی یونٹ کے ہی سپاہیوں کی تھیں۔شاید ان میں سے کوئی زندہ ہے اور زخموں سے کراہ رہا ہے۔یہ سوچ کر وہ باہر نکل آیا۔اس نے دیکھا دور کچھ سائے حرکت کر رہے تھے۔شاید وہ اسی کے یونٹ کے آدمی تھے جو بکھری ہوئی لاشوں میں کہیں زندگی کے آثار تلاش کر رہے تھے۔

لیفٹننٹ ہیری نے پھر وہی کراہنے کی آواز سنی۔اور کچھ دور ایک تودے کے قریب پڑی ہوئی دوسری لاشوں کی طرف دوڑ پڑا۔مگر جب انھوں نے ٹٹول کر دیکھا تو وہ سرد ہو چکے تھے۔وہ دو سپاہی تھے جن کے نمبر ۳۱۵ اور ۳۱۷ تھے۔

لیفٹننٹ ابھی سیدھا کھڑا ہی ہوا تھا کہ اسے پھر کراہنے کی آواز سنائی دی اور اس بار تو اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔اس کے کان اسے دھوکا نہیں دے سکتے تھے۔

یہ اس کی بیوی کی آواز تھی۔اس کی جودی کی آواز۔ایک سال قبل جب وہ بیمار تھی تو کئی دن تک ہیری نے اسے کراہتے ہوئے سنا تھا۔اس کی ہر کراہٹ پر ہیری کا دِل تڑپ اٹھتا تھا، کیونکہ اسے دنیا کی ہر چیز سے زیادہ اپنی بیوی سے محبت تھی۔اس نے سارے زمانے سے بغاوت کر کے اسے اپنایا تھا۔وہ ایک انگریز فوجی افسر تھا اور جودی اسی کے ایک ماتحت ملٹری

Akram Allahabadi

کلرک کی بہن ۔جن دنوں وہ ہندوستان کے ایک فوجی سپلائی ڈپو میں ٹو رز آفیسر کے عہدے پر فائز تھا،تو رتن لال اس کے اسٹور میں کلرک تھا۔رتن لال کیونکہ محنتی اور دیانتدار آدمی تھا،اس لیے لیفٹننٹ ہیری اسے بہت پسند کرتا تھا۔مگر بد قسمتی سے ایک دن رتن لال کو آفس کی الیکٹرک وائرنگ کی مرمت ہوتے وقت بجلی کا شاک لگ گیا۔اور وہ بے چارہ فوجی اسپتال تک لے جائے جانے سے پہلے ہی ختم ہوگیا۔مرنے سے پہلے اسے اس قدر ہوش ضرور آیا تھا کہ اسے لیفٹننٹ کو اپنے سرہانے پا کر،''مم...میری بہن''، کے الفاظ کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔اس کے بعد آفس سے اس کا پتا لے کر لیفٹننٹ ہیری خود جب اس کے گھر پہنچا تو جودی اسے ملی۔وہ اکیلی تھی۔اور اس دنیا میں اس کا صرف ایک ہی سہارا تھا۔اس کا بھائی،جسے تقدیر کے کے بے رحم ہاتھوں نے اس سے اچانک چھین لیا تھا۔جودی کا نام اس وقت جُگلی تھا۔ وہ کھلے ہوئے رنگ کی ایک خوبصورت لڑکی تھی اور اس کی آنکھوں میں بلا کی معصومیت تھی۔حسن و شباب دونوں یکجا ہوکر اسے ایک قیامت بنا دیا تھا اور اس لیے پاس پڑوس میں اس کے خواستگاروں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔اور جب رتن لال کی موت پر اس سے ہمدردی جتانے آئے تو لیفٹننٹ ہیری کو دیکھ کر ان میں سے کوئی خوش نہ ہوا۔ایک انگریز کا ایک جوان ہندوستانی لڑکی کے پاس کیا کام۔

جودی کو بھائی کی اچانک موت کی خبر سے اس قدر صدمہ پہنچا کہ وہ بیمار پڑ گئی۔ لیفٹننٹ ہیری سے دیکھا نہ گیا۔وہ انسانیت کے ناطے اس کی عیادت کے لیے وقتاً فوقتاً آنے لگا۔اور اس نے کوشش کر کے رتن لال کے ڈیوٹی پر موت کا شکار ہوجانے کے صلے میں مرکزی کمان سے اس کی بہن کو پانچ ہزار روپے بھی دلوا دیے۔جگلی یہ احسان کیسے بھول جاتی۔جب کہ وہ انگریز افسر ہر طرح سے اسے ایک شریف،اعلا کردار اور سچا ہمدرد ثابت ہو رہا تھا۔

وہ دنیا میں اکیلی تھی۔اسے ایک سہارے کی ضرورت تھی۔لیکن اس کے پڑوسی تو اس پر بری نظر ڈال رہے تھے۔تو اس ماحول میں اسے لیفٹننٹ ہیری ایک فرشتہ رحمت نظر آیا۔

دوسروں کی طرح اس سے گفتگو کرتے وقت نہ تو اس کی آنکھوں میں کوئی شیطانی چمک ہوتی، اور نہ وہ اس سے اس طرح پیش آتا، جیسے کوئی افسر اپنے ماتحت کی بہن پر مہربانی کر رہا ہو۔ اس نے جگلی کو یقین دلایا تھا کہ جب تک وہ یہاں ہے اس کی نگہداشت کرتا رہے گا۔ اور اسی لیے وہ ہر روز اپنے ڈپو سے نکل کر اپنے رہائشی کیمپ کی طرف جاتے ہوئے اس کی خیریت پوچھنے ضرور آتا۔

ہمدردی کے اس مرہم نے دھیرے دھیرے جگلی کے دل کے زخم بھر دیے اور وہ رتن لال کی موت کا غم بھولتی گئی۔ مگر اب اسے خود اپنے اندر ایک تبدیلی محسوس ہو رہی تھی۔ ایک انوکھی تبدیلی۔ جیسے اس کی روح کسی کی متلاشی ہو، جیسے اس کا دل کسی کے لیے دھڑکنے لگا ہو، مگر اس کے دل کا وہ چور جسے وہ خود ابھی پوری طرح نہیں سمجھ سکی تھی، نہ جانے کس طرح لوگوں میں جھانپ لیا گیا۔ لوگ اب لیفٹننٹ ہیری کا نام لے لے کر اس پر پھبتیاں کسنے لگے۔ اور ایک دن جب لیفٹننٹ ہیری اس سے ملنے آیا تو محلے کے بعض منچلے بچوں نے اس پر بھی آوازے کس دیے۔ وہ سٹ پٹا گیا۔ جب ایک بگڑی شکل کے آدمی نے اس کے قریب سے گزرتے وقت یہاں تک کہہ دیا کہ، ''نامی صاحب، یہ چکلہ نہیں ہے، شریفوں کا محلّہ ہے''۔

وہ جب جگلی کے گھر میں داخل ہوا تو جگلی رو رہی تھی۔

لیفٹننٹ ہیری کچھ دیر سامنے کھڑا اسے ایک ٹک دیکھتا رہا، پھر وہ خود ہی بھرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

''میرے آنے سے تمہارا بدنامی ہوتا، میں اب نہیں آؤں گا۔''

آج پہلی بار اس کے منہ سے اس قسم کے الفاظ سن کر وہ چونک پڑی۔ اس نے سر اٹھا کر لیفٹننٹ ہیری کو دیکھا۔ اس کی پلکوں میں نمی تھی۔ اور جب اسے ہیری کی آنکھوں سے پانی کی چمک نظر آئی تو وہ تڑپ اٹھی۔ ہیری کسی جواب کا انتظار کیے بغیر پلٹ ہی رہا تھا کہ اس نے

دوڑ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ایشور کے لیے مجھے ان درندوں میں اکیلی چھوڑ کر نہ جایے۔یہ میری عزت کے دشمن ہیں۔''وہ بلبلا کر روتے ہوئے بولی۔اور ہیری ٹھہر گیا۔

''مم...مگر میں کیا کرسکتا ہوں۔میں انگریز،تم ہندوستانی۔''یہ کہتے ہوئے الفاظ اس کے حلق میں اٹک گئے۔

''اوہ،ہاں،میں بھول گئی تھی۔ہم کالے آدمی غلام جو ٹھہرے،میں بھی کتنی کمینی ہوں جو احسان کے عوض سر چڑھ گئی۔''یہ کہتے ہوئے جگنی نے منہ پھیر لیا۔آنسو اب اس سے نہ رک سکے۔

'ارے نہیں۔''ہیری نے بےقرار ہو کر اسے بازوؤں سے تھام لیا۔''میرا مطلب یہ کب تھا؟''وہ اسے سمجھانے لگا۔

''میں اس دنیا میں بے سہارا ہوں،اکیلی ہوں،میرا کوئی نہیں۔''وہ سسکیوں کے ساتھ بڑبڑائی۔

''مم...میں...میں ہوں،میں...ہیری ہالورتھ۔''ہیری نے کہہ کر نا جانے کون سے جذبے کے تحت اسے آگے کھینچ کر سینے سے لگا لیا۔اور والہانہ انداز میں اس کے بالوں کو اپنی مٹھی میں سمیٹ لیا۔جگنی نے کوئی تعرض نہ کیا۔شاید اس نے اپنی منزل کو پا لیا تھا۔قدرت کا اصول اپنا کام کر چکا تھا۔محبت نے ذات پات،برادری،مذہب اور رنگ و نسل کے تمام بندھن توڑ دیے تھے۔

''میں خود تم کو کہنا چاہتا تھا کہ میں...میں تم کو موحوبت یانی پریم کرتا ہوں۔آئی لو یو مچ۔''ہیری نے اسے اپنی بانہوں میں اور زیادہ سمیٹتے ہوئے کہا۔

''میں بڑی خوش قسمت ہوں۔''وہ خوشی سے لرزتی آواز میں صرف اتنا کہہ سکی۔

''میں اپنے کمانڈنٹ سے اجازت لے کر تم سے شادی کرونگا،مگر کیا تم گرجا میں

چل کر مجھ سے شادی کروگی؟'' لیفٹنٹ نے اس سے پوچھا۔

''اب تو آپ ہی میرے سب کچھ ہو، آپ کی ہر خوشی میر خوشی ہے۔'' جگلی نے سر جھکالیا۔

''تو میں پھر کل تمہیں لے چلوں گا، دن میں کسی وقت۔'' اس نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''کل کیوں؟ آج ہی لے جاؤنا۔'' عقب سے انھیں ایک بھدی سی بھاری آواز سنائی دی۔ وہ چونک پڑے۔ لیفٹنٹ نے دیکھا، وہی بگڑی سی شکل کا آدمی پیچھے دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شیطنیت چمک رہی تھی اور ہونٹوں پر بڑی خوفناک سی مسکراہٹ تھی۔

''تم کیوں اندر آئے؟'' لیفٹنٹ نے اسے گھور کر پوچھا۔

''گورا صاحب، ملٹری کا دفتر نہیں ہے، ہمارا محلّہ ہے۔'' وہ طنز بھرے لہجے میں بولا۔

''نکل جاؤ یہاں سے، یہ میرا گھر ہے۔'' جگلی چیخ اٹھی۔

''ارے واہ، تو تو میم صاحب ہی بن گئی، لاج نہیں آتی تجھے کلکنی۔'' وہ اور خوفناک ہوگیا، مگر دوسرے لمحے ہی لیفٹنٹ ہیری کے گھونسے نے اس کے جبڑے ہلا دیے۔

''نکل جاؤ یہاں سے، کھبر دار، پھر آیا تو شٹ کرادوں گا۔'' ہیری غصے سے کانپتے ہوئے بولا۔

وہ آدمی کچھ نہ بولا، بلکہ اپنا جبڑہ سہلاتا ہوا ایک قہر آلود نظر جگلی پر ڈال کر باہر نکل گیا۔

''تم فکر نہ کرو، کل سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' ہیری نے جگلی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

لیفٹنٹ ہیری کے جاتے ہی اس آدمی نے سارے محلے کو جنگلی کے خلاف بھڑکا دیا اور بچوں، جوان، بوڑھوں پر مشتمل ایک مشتعل گروہ اس کے گھر کے سامنے جمع ہو کر اسے گالیاں دینے لگا۔

"گورے کو آبرو بیچتے لاج نہیں آئی کلمونہی ۔ اری ڈوب مر کہیں جا کے۔"

"اری، کیا ہم مر گئے تھے، دیکھ تو محلے میں کیسے کیسے گبرو جوان ہیں۔"

"میم صاحبی کے سپنے دیکھ رہی ہے پاپن۔"

"ارے یہ گورے اپنے باپ کے نہیں ہوتے اس کے کیا ہوں گے۔"

"چھی چھی، دھرم نشٹ کر دیا کلمکنی نے۔جوانی پھٹی پڑ رہی تھی تو محلے والوں سے کہا ہوتا، کہیں ہاتھ پکڑا دیتے۔"

"نکالو اس پاپن کو یہاں سے، سارا محلہ گندہ کر دیا۔"

"ہاں، یہ ہماری بہو بیٹیوں کے بیچ رہنے کے لائق نہیں ہے۔"

بہر حال سو منہ تھے اور سو آوازیں ۔ اور مجمع کا اشتعال اس قدر بڑھ گیا کہ شاید وہ اس کے گھر کا دروازہ توڑ کر اندر گھس جاتے، مگر عین وقت پر پولیس آ پہنچی ۔ اسے شاید لیفٹنٹ ہیری نے ہی فون کیا تھا۔ کیونکہ اسے پہلے ہی اس قسم کے کسی واقعے کا اندیشہ ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی آتا، مگر ڈیوٹی سے مجبور تھا۔

"لو، سالے نمک حلال آ گئے۔" ان میں سے کوئی بولا۔

پولیس نے آتے ہی مجمع کو منتشر کر دیا اور انھیں وارننگ بھی دے دی کہ کوئی گڑبڑ کی تو کسی کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

لوگ منتشر ہو کر اپنے گھروں میں چلے گئے، مگر چہ میگوئیاں بند نہیں ہوئیں۔ ویسے حالات پر سکون دیکھ کر پولیس آفیسر نے رات کے وقت دو کانسٹیبل جنگلی کے مکان کے دروازے پر چھوڑ دیے اور باقی واپس لوٹ گئے۔

Akram Allahabadi

رات کو اچانک محلے میں شور مچ گیا۔جگی کے مکان میں آگ لگا دی گئی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ ان دونوں کانسٹیبلوں کو بھی رسیوں سے جکڑ کر جگی کے مکان کے اندر پھینک دیا گیا تھا کہ وہ دوڑ کر مدد نہ لا سکیں۔محلے کا کوئی فرد بھی اس غریب،مظلوم اور اکیلی لڑکی کی مدد کو نہ آیا۔کسی کو اگر اس پر رحم آیا تو وہ کچھ بولنے کی جرأت نہ کر سکا۔

لیکن لیفٹننٹ ہیری پولیس کے انتظام کے باوجود مطمئن نہ تھا،اس لیے آج کی رات ملٹری پولیس کی پٹرولنگ ڈیوٹی کا چارج اس نے لے لیا تھا۔اس وقت اس کے ساتھ آٹھ مسلح سپاہی تھے اور وہ سب ایک فوجی ٹرک میں سوار تھے،جسے خود لیفٹننٹ ہیری ڈرائیو کر رہا تھا۔ ڈپو سے کیمپ کی طرف جاتے ہوئے انھیں دور سے جب بستی کے آگ کے شعلے نظر آئے تو ہیری کا ماتھا ٹھنکا۔اس نے ٹرک کا رخ فوراً بستی کی طرف موڑ دیا اور اسے بے تحاشا دوڑانے لگا۔اس کے سپاہی حیران تھے کہ اسے کیا ہوا،مگر یہ بات قریب پہنچ کر ہی ان کی سمجھ میں آئی کہ کسی مکان کو آگ لگی ہے اور کوئی آگ بجھانے کی کوشش نہیں کر رہا ہے۔لوگ دور سے کھڑے تماشا دیکھ رہے ہیں اور ہنس رہے ہیں۔

''تم وائرلیس پر شہر کے فائر بریگیڈ کو خبر کر دو اور باقی لوگ میرے میرے ساتھ آئیں۔''لیفٹننٹ نے ٹرک سے کودتے ہوئے اپنے ایک آدمی کو ہدایت کی اور وہ اندر وائرلیس سیٹ پر چلا گیا۔

لوگ ان فوجیوں کو پولیس کے آدمی سمجھ کر اس طرح غائب ہوئے جیسے یہاں کوئی تھا ہی نہیں۔سپاہی تو باہر ہی ٹھہر گئے،مگر وہ حیرت سے یہ دیکھنے لگے کہ لیفٹننٹ ہیری مکان کے جلتے ہوئے برآمدے میں گھس گیا۔پھر اسے ٹھوکروں سے اس کے دروازے کو گراتے دیکھا گیا۔وہ کسی کا نام لے لے کر چلا رہا تھا۔یہ دیکھ کر اس کی مدد کے لیے کچھ اور سپاہی دوڑ پڑے۔

تقریباً پانچ منٹ بعد جب لیفٹننٹ ہیری باہر نکلا تو جگی اس کے کندھے پر تھی۔وہ کافی جل چکی تھی۔اور خود لیفٹننٹ کے کوٹ کی ایک آستین بھی جل گئی تھی۔دوسرے سپاہی اندر

سے ان دو پولیس کانسٹیبلوں کو بھی نکال کر لائے جن میں سے ایک تو بری طرح جل چکا تھا۔ ان کے باہر نکلتے نکلتے فائر بریگیڈ بھی آ پہنچا۔ ہیری نے اس کے انچارج آفیسر سے درخواست کی کہ سب سے پہلے ایمبولینس میں جنگلی اور کانسٹیبلوں کو اسپتال بھیج دیا جائے۔ چنانچہ سب سے پہلے ہی یہی کیا گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے آدمیوں کو لے کر اس بستی کے گھر گھر میں اس بدشکل آدمی کو تلاش کرنے لگا، جس نے اس کے سامنے جنگلی کو برا بھلا کہا تھا۔ فائر بریگیڈ آگ بجانے میں مصروف ہو چکا تھا۔

لیفٹننٹ ہیری جانتا تھا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، وہ اس کے اختیار سے باہر اور اس کی ذمے داری سے بے واسطہ چیز ہے، مگر اس وقت اس پر جنون سوار تھا۔ وہ اس آدمی کی بوٹیاں نوچ ڈالنا چاہتا تھا۔ اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اسے کہیں نہیں ملا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اوراقِ ماضی

جُگلی تو بچ گئی، مگر اس کا چہرہ بگڑ گیا۔ چاند کو داغ لگ چکا تھا۔ اس کے داہنے رخسار پر ایک سیاہ حلقہ پڑ گیا۔ اور جب اس نے اسپتال میں ہی ایک دن آئینہ دیکھا تو پھوٹ کر رو پڑی۔ اب اس میں رہ ہی کیا گیا تھا۔ کیا ہیری اب بھی اسے پسند کرے گا؟ کیا اب بھی وہ دل کی گہرائیوں سے اس کے سامنے اقرارِ محبت کر سکے گا؟

ہیری جب چھٹے دن اسے دیکھنے پہنچا تو اسپتال کے وارڈ کی میٹرن نے اسے بتایا کہ جگلی ذہنی طور پر بہت متاثر ہے۔ اس نے ایک بار نرس کی ٹرے سے ٹنکچر کی شیشی چرا کر پینے کی کوشش کی تھی۔ ''وہ خودکشی کرنا چاہتی ہے۔''

اور جب ہیری ڈاکٹر سے ملا تو اس نے بھی اس سے یہی بتایا کہ مریضہ کو اپنے چہرے پر داغ لگ جانے کا گہرا صدمہ پہنچا۔ یہ بات ہیری کے ذہن میں بھی نہ تھی۔ وہ تو اسے اب بھی وہی جگلی سمجھ رہا تھا۔ جگلی کا اصلی کروپ اس کی نظروں میں پھیکا نہیں پڑا تھا۔

جُگلی نے اسے دیکھ کر منہ پھیر لیا اور ہیری مسکرا دیا۔

''کیوں...؟ کیا کھفا ہو مجھ سے؟'' وہ اس کا رخ زبردستی اپنی طرف پھیرتے ہوئے بولا۔ مگر جگلی نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔

''ہشت...، پگلی، تم سمجھتی ہو آگ نے تمہارا صورت بگاڑ دیا ہے۔ جوگلی، بائی گاڈ، میرے کو تو تم اب پہلے سے زیادہ اچھا لگتی ہو۔'' وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر کہنے لگا۔

''نہیں۔ میں اب آپ کے لائق نہیں رہی۔ ایشور کے لیے مجھے میرے حال پر چھوڑ دیجیے۔'' جگلی نے روندھی آواز میں کہا۔

''کائے کو چھوڑ دوں؟ نہیں چھوڑوں گا۔ ہول لائف نہیں چھوڑوں گا۔'' وہ اس کے

ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہنے لگا۔

"میرا مذاق نہ اڑایے۔مم... میں ...اوہ... میں جل ہی کیوں نہ مری۔آپ نے کیوں بچایا مجھے۔" وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر رونے لگی۔وارڈ میں اس وقت کوئی نہ تھا۔

"اس لیے کہ سنڈے کو ہماری شادی ہے۔" وہ ہنسنے لگا۔"اب خوش ہو جاؤ۔" یہ کہہ کر اس کا ہاتھ دباتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا، کیونکہ نرس آ گئی تھی۔جنگلی اس کی صورت تکتی رہ گئی۔شاید اسے ابھی تک اس کے الفاظ پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

لیکن لیفٹنٹ ہیری جب آفس پہنچا تو اسے کپتان کا بلاوا ملا۔وہ اس کا منتظر تھا۔

"ویل لیفٹنٹ،تمہاری شادی کی درخواست واپس لوٹ آئی ہے۔وار سروس پر کسی برٹش آفیسر کو ہندوستان میں شادی کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔" کپتان ہیوڈ نے ہائی کمان کا خط اس کی طرف بڑھاتے ہوئے انگریزی میں کہا۔

"لیکن یہ میری موت اور زندگی کا معاملہ ہے۔میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا۔" لیفٹنٹ ہیری نے کانپتے ہاتھوں سے وہ کاغذ لیتے ہوئے کہا۔

"تم ایک فوجی آفیسر ہو، لیفٹنٹ۔" کپتان کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"لیکن انسان بھی ہوں۔اور دنیا کی کوئی طاقت مجھ سے میرے انسان ہونے کا حق نہیں چھین سکتی۔" لیفٹنٹ کو جوش آ گیا۔

"ایک آفیسر ہونے کے ساتھ ساتھ میں تمہارا دوست بھی ہوں اور اسی لیے تمہیں سمجھاتا ہوں کہ جذباتی نہ بنو۔" کپتان ہیوڈ نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

"اگر میں استعفا دے دوں؟"

"تم بھول گئے کہ تم نے فیلڈ سروس کا بانڈ بھرا ہے۔تمہیں سزا ہو جائے گی۔"

Akram Allahabadi

''کپتان، پلیز، میری کچھ مدد کیجیے۔ میں نے اگر اس لڑکی سے شادی نہ کی تو وہ خود کشی کر لے گی۔ اس کی حالت میری ہی وجہ سے ہوئی ہے اور... اور میں بھی... میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں۔'' لیفٹننٹ نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے التجا کی۔

''بذاتِ خود میں بھی محبت کے معاملے میں کسی رنگ و نسل کے فرق کا قائل نہیں ہوں۔ مگر تمہیں معلوم ہے کہ فوجی قانون کتنے سخت ہوتے ہیں۔'' کپتان نے مشفقانہ لہجے میں کہا۔

''پلیز، کیپٹن۔ میں اسے سنڈے کے لیے شادی کا وقت دے چکا ہوں۔'' ہیری مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

''اوہ...، بڑی مشکل ہے یہ، ہیری.... بڑی عجیب مشکل ہے....'' کپتان سوچ میں پڑ گیا۔ پھر کچھ دیر بعد وہ خود ہی چونک پڑا۔

''صرف ایک طریقہ ہے۔'' اس کے منہ سے نکلا۔ اور ہیری پر امید چمکتی ہوئی نظروں سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔

''تم چھپ چھپا کر اس سے شادی کر لو۔ میں کل تمہیں ڈیوٹی پر خلد آباد سب ڈپو بھیج دیتا ہوں۔ وہاں کرسچین مشن کا ایک گرجا ہے اور اس کا پادری میرا دوست ہے۔ باقی انتظامات تم خود کر لو۔'' کپتان ہوڈ نے اسے بتایا۔ اور فرطِ ممنونیت سے لیفٹننٹ ہیری کے آنسو نکل پڑے۔

''میں یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گا، کیپٹن۔'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

''کوئی بات نہیں۔ انسان پر اکثر ایسے مواقع گزرا کرتے ہیں۔'' کپتان مسکرایا۔ اور اس کا اشارہ پا کر لیفٹننٹ ہیری سلیوٹ کر کے باہر نکل گیا۔

بہر حال اس طرح ان کی شادی ہو گئی۔ اس کا کرسچین نام خود ہیری نے جوگلی کی بجائے جودی رکھ دیا تھا۔

Akram Allahabadi

خلد آباد میں ایک علاحدہ مکان کرائے پر لے کر لیفٹننٹ ہیری نے جودی کو وہاں رکھ دیا اور اس کی خدمت و نگہداشت کے لیے ایک آیا بھی ملازم رکھ دی۔ ہیری اب جودی کی نظروں میں کسی دیوتا سے کم نہ تھا۔ جودی کا حسن داغ دار ہو جانے کے باوجود اس کی محبت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ اور یہ محبت کوئی دکھاوے یا مروت کی بھی نہ تھی۔ کیونکہ ہیری کی آنکھوں میں صداقت ہمیشہ نمایاں رہتی۔ وہ اس سے والہانہ محبت کرتا تھا اور جودی کو اس کی محبت پر یقین ہی نہیں ایمان تھا۔ وہ نئے پڑوس میں اپنی سہیلیوں سے اس کی محبت کی قسم کھایا کرتی تھی اور وہ اس کی قسمت پر رشک کرنے لگتیں۔ صرف یہی نہیں کہ وہ خوبصورت اور وجیہہ تھا، بلکہ وہ شریف اور وفا شعار بھی تھا۔ ایسے محبت کرنے والا کسی کو تقدیر سے ہی ملا کرتا ہے۔

پھر خلد آباد سے لیفٹننٹ کا تبادلہ کر کی ہو گیا اور بالا ہی بالا اسے یہاں بھی جودی کے لیے ایک گھر کا انتظام کرنا پڑا۔ کیونکہ وہ کسی صورت بھی اس سے دور نہیں رہنا چاہتی تھی۔ یہاں ہیری کو صرف کپتان ہیوڈ سے بچھڑنے کا غم تھا۔ کیونکہ وہ اس کا مونس اور رازدار آفیسر تھا۔ بہر حال یہاں جس میجر کی ماتحتی میں اس کی تقرری ہوئی، وہ بھی کوئی برا آدمی نہیں تھا۔ اس نے ہیری کو اس قدر موقع ضرور مل جاتا کہ وہ روز جودی سے جا کر مل آتا۔ گھنٹے دو گھنٹے اس کے ساتھ رہتا اور اتوار کے دن تو صبح سے شام تک ہی اس کے پاس رہا کرتا تھا۔

جودی اب پچھلے سارے غم بھول چکی تھی۔ ہیری کی بانہوں میں وہ زندگی کی تمام مسرتیں محسوس کر لیتی، جیسے جیتے جی جنت مل گئی ہو۔

یہاں اس بنگلے کے دوسرے حصے میں رہنے والی ایک ہندوستانی عیسائی لڑکی مس ڈیسوزا اس کی گہری دوست بن گئی اور جودی نے اسے اپنی تمام کہانی سنا دی۔ پاس پڑوس کے لوگ ان سے بے نیاز ہی رہتے۔ اور اوّل تو دیسی عیسائی یہاں تھے ہی گنتی کے دو چار، پھر وہ اسے ایک انگریز کی داشتا سمجھ کر اور بھی نفرت کی نظر سے دیکھنے لگے۔ جودی انھیں یہ بھی نہ بتا سکی کہ وہ باقاعدہ شادی شدہ اور لیفٹننٹ ہیری کی منکوحہ بیوی ہے۔ اسے ڈر تھا کہ بات کہیں ڈپو

تک نہ پہنچ جائے۔اور ہیری کے لیے کوئی مصیبت اٹھ کھڑی ہو، کیونکہ یہاں کپتان ہیوڈ تو تھا نہیں جو اس کا ساتھ دیتا۔

بہر حال پڑوس میں جو کچھ کھسر پھسر ہوتی، وہ کھل کر نہ ہو پاتی۔ کیونکہ ہیری کے ہوتے ہوئے وہ ڈرتے تھے۔ کچھ بھی سہی، مگر ابھی انگریزوں کا راج تھا، اور وہ ایک انگریز افسر تھا۔

یہاں ان کے دن نسبتاً آرام سے کٹتے رہے۔ ہیری نے اسے ایک خاص قسم کا لوشن بھی لا دیا تھا، جسے وہ منہ پر ملا کرتی اور اس سے اس کے چہرے کا رنگ پھر صاف ہو چلا تھا۔ اور وہ بہت خوش تھی کہ وہ اپنے محبوب کو اپنا اصل رنگ و روپ دے سکے گی۔

☆☆☆☆☆☆

مگر ان کی زندگی میں ایک طوفان آ گیا۔ شمالی افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کی طرف جرمنوں کے قدم بڑھتے ہی اتحادیوں کو کمک بھیجنی پڑی اور اس کے ساتھ ہی لیفٹننٹ ہیری کو راجپوتانہ رائفلز میں ٹرانسفر کر دیا گیا۔ جہاں پہنچتے ہی اسے فیلڈ سروس کا حکم ملا۔ اسے معلوم ہوا کہ کپتان ہیوڈ بھی ساتھ ہوگا۔ اس سے کچھ ڈھارس بندھی ضرور، لیکن جودی کو چھوڑنے کے خیال سے اس کا دل ڈوبنے لگا۔ وہ نہ بزدل تھا نہ میدانِ کارزار میں جاتے ہوئے گھبراتا تھا۔ گھبراہٹ صرف یہ تھی کہ اس کے چلے جانے کے بعد جودی کا کیا حال ہوگا۔ وہ اس کے بعد بالکل اکیلی رہ جائے گی۔ اور یہ تو قطعی ناممکن بات تھی کہ وہ اسے فیلڈ سروس پر بھی کسی طرح ساتھ لے جاتا۔

چار و نا چار اسے اس کی پڑوسی عیسائی سہیلی لڑکی کے دلاسوں پر چھوڑ کر روانہ ہو گیا۔ اس کے جاتے وقت جودی کی کیا کیفیت تھی، یہ اس سے نہ دیکھا جا سکا۔ جودی کی شفاف جھکی ہوئی آنکھوں میں آنسو گھٹ کر رہ گئے تھے اور ہونٹ کانپ رہے تھے۔ جب تک ملٹری ٹرک

دوسری سڑک پر نہ مڑ گیا، وہ جودی کو مکان کے دروازے پر ہی کھڑی دیکھتا رہا۔ خود اس کا دل بھی اس کی جدائی کے احساس سے ڈوبا جا رہا تھا اور آج اسے اس شدید اذیت کا احساس ہوا تھا جو دوسرے ملٹری فسروں اور سپاہیوں کو بھی اپنی بیوی بچے چھوڑ کر موت یا زندگی کی بازی لگانے جاتے وقت ہوتی ہوگی۔

اور آج اسے جودی سے بچھڑے ہوئے ایک سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا۔ لڑائی ختم ہونے کی بجائے اور بڑھ گئی تھی۔ اور دنیا کی تمام بڑی بڑی طاقتیں اس آگ میں کود پڑی تھیں۔ کبھی جرمن زور پکڑنے لگتے اور کبھی اتحادی۔ پلہ ابھی تک جرمنوں کا ہی بھاری تھا۔ اور اب وہ مشرقِ وسطیٰ کے تیل کی بیش قیمت دولت کو لوٹنے آ رہے تھے۔

ذہنی رو اس کی زندگی کی پوری کہانی ایک فلم کی طرح اس کے تصور میں دہرانے لگی۔

وہ تڑپ کر اٹھ بیٹھا۔

جودی کے کراہنے کی آواز۔۔۔ اور اسے میدانِ جنگ میں سنائی دے، یہ کتنی عجیب بات تھی، کتنی انہونی۔ یقیناً جودی یہاں تک تو نہیں پہنچ سکتی تھی۔ اور پھر یہ بھی تو نہیں معلوم ہو سکا تھا کہ آواز کدھر سے اور کہاں سے آ رہی ہے۔ وہ تو جیسے ہوا کے دوش پر بہہ رہی تھی۔

فوجیوں کی بے جان لاشوں کے سوا ریگزار دور تک ویران اور خالی پڑا تھا۔ یہ بھی تو ممکن نہ تھا کہ زخمی کہیں پڑا کراہ رہا ہو۔

اسے کپتان کی آواز نے چونکا دیا۔

''ہیری، تم یہاں ہو اور میں تمہیں میدان میں ڈھونڈ رہا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ زندہ تو ہو۔'' کپتان یہ کہتا ہوا نزدیک آ گیا۔

''کیپٹن، کیا آپ نے کسی کے کراہنے کی آواز سنی ہے؟'' ہیری نے کوئی جواب دینے کی بجائے خود اس سے سوال کیا۔

''میدانِ جنگ میں تو مرنے والوں کے کراہنے کی آوازیں سنائی دیتی ہی رہتی

ہیں۔'' کپتان نے سادگی سے کہا۔

''جی نہیں، میرا مطلب ہے کسی عورت کی۔۔۔کوئی زنانہ آواز؟''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا ہے، یہاں محاذ پر کسی عورت کا کیا کام؟''

''خدا جانے، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔'' وہ سر کو جھٹک کر بڑبڑانے لگا۔

''خیر چلو کیمپ میں چلو۔ معلوم ہوتا ہے تم ساتھیوں کی موت سے بری طرح متاثر ہوگئے ہو۔'' کپتان اسے بازو سے تھام کر بولا۔

''اوہ، یہ بات نہیں، کیپٹن۔ میرا دماغ کسی اور وجہ سے پریشان ہے۔''

''تم چلو تو، وہیں تمہاری پریشانی کی وجہ بھی پوچھوں گا۔''

وہ کپتان کے ساتھ ہولیا۔

کیمپ میں واپس آکر وہ سیدھا اپنے خیمے میں گھس گیا۔ اس کا دماغ بہت پریشان تھا۔ اس کے باوجود کہ کراہنے کی ان آوازوں کے بارے میں وہ یقینی طور پر کچھ نہ جان سکا تھا۔ جو دی اس کو بری طرح یاد آرہی تھی۔

تقریباً دو بجے رات کو کیمپ میں اعلان کردیا گیا کہ خطرہ ٹل گیا ہے اور لوگ آرام سے سو سکتے ہیں۔ طلایہ گردی کے لیے دو مسلح دستے مقرر کردیے گئے ہیں۔

نیند آتی کسے۔ دوسرے سوگئے، مگر وہ اپنے خیمے میں ٹہلتا رہا۔ تھوڑی ہی دیر میں سارے کیمپ پر شہرِ خموشاں جیسا سناٹا چھا گیا۔ اور اس سناٹے میں سوتے فوجیوں کے خراٹوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ لیفٹننٹ بھی بستر پر یونہی لیٹ کر چھت کو تکنے لگا۔ اس کے باوجود اسے اس وقت نیند نہیں آرہی تھی۔ دل و دماغ دونوں پراگندہ تھے۔

رات اور زیادہ بھیگنے پر اسے آپ سے آپ نیند کے جھٹکے آنے لگے جو اس کی خواہش کے خلاف ہی تھے۔ مگر جسم آرام طلب کررہا تھا۔ دماغ چاہے ساتھ دے یا نہ دے۔ وہ ابھی سویا ہی تھا کہ ایک دم چونک پڑا اور آنکھیں پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

Akram Allahabadi

اسے کسی کے کراہنے کی آواز پھر سنائی دی تھی۔ وہ قطعی جودی کی آواز تھی۔ بالکل وہی دردناک کراہٹ۔ جیسے کسی شدید اذیت میں مبتلا ہو۔ وہ بے قرار ہو کر اٹھ بیٹھا۔ آواز باہر کہیں آس پاس سے ہی آ رہی تھی۔ اس نے ٹارچ نکالی اور خیمے سے باہر نکل آیا۔ باہر اس نے دور دور تک دیکھ ڈالا۔ مگر اسے کسی کا سایہ تک نظر نہ آیا۔ کہیں اس کے دماغ پر کوئی وہم تو سوار نہیں ہو گیا ہے۔ وہ خود ہی ناکام واپس لوٹتے ہوئے سوچنے لگا۔ ہو سکتا ہے لاشعور سے کوئی طاقتور واہمہ ابھر آیا ہو۔

وہ پھر خیمے میں لوٹ آیا اور ٹارچ سرہانے رکھ کر دوبارہ بستر پر لیٹ گیا۔ مگر ابھی بمشکل چند منٹ ہی گزرے تھے کہ اس کا ہاتھ پھر ٹارچ کی طرف چلا گیا۔ وہی آواز۔ بالکل جودی جیسی۔

''اوخدا، یہ کیا ہو رہا ہے۔'' وہ گھبرا کر بڑبڑایا۔ کہیں جودی کی طبیعت خراب تو نہیں ہے وہاں؟ کہیں اس پر کوئی آفت تو نہیں آئی ہے؟ اس کا ذہن سوچنے لگا۔ اور وہ جس قدر سوچتا گیا، دل اتنا ہی گھبراتا گیا۔ یہاں تک کہ وہ پھر اسٹریچر سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔

کسی کے کراہنے کی آواز تھوڑے تھوڑے وقفے سے اسے سنائی دیتی رہی۔ اب اس کی ہمت نہ ہوئی کہ باہر نکلے۔ وہ بستر پر گر پڑا اور تکیے میں منہ ڈھانپ کر جودی کا نام لے لے کر سسکیاں لینے لگا۔ اسی عالم میں خدا جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔

صبح وہ کپتان ہیوڈ کے آفس میں کھڑا تھا اور کپتان غور سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔

''تمہاری آنکھیں سوج گئی ہیں۔ آخر تم اس قدر پریشان کیوں ہو؟''

''میرا دل بول رہا ہے، کیپٹن، کہ جودی ضرور کسی مصیبت میں مبتلا ہے۔'' وہ کہنے لگا۔

''وہم ہے تمہارا۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی تو تمہارے پاس اس کی چٹھی آئی تھی۔'' کپتان نے اسے سمجھایا۔

Akram Allahabadi

''کچھ بھی ہو، کیپٹن، میرا دل اس کے لیے پریشان ہے۔''

''اس طرح بچے نہ بنو، تم مرد ہو، اور مرد اتنے رقیق القلب نہیں ہوتے۔''

''کاش آپ نے بھی کسی سے اتنی محبت کی ہوتی، جتنی میں جودی سے کرتا ہوں۔''

''جانتا ہوں ____ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ عمر دیوانگی کی عمر ہوا کرتی ہے، لیکن اس طرح بے صبری سے کیا ہوگا؟''

''کیپٹن، کیا مجھے کچھ دنوں کے لیے ہندوستان جانے کی چھٹی نہیں مل سکتی۔'' ہیری نے ملتجیانہ لہجے میں کہا۔

''مجھے اب تمہارے دماغ کی صحت پر شبہ ہو رہا ہے، کہیں فیلڈ سے بھی کسی کو رخصت ملا کرتی ہے اور خاص کر ایسے وقت جب دشمن سر پر ہو۔''

''ایک دو ہفتے سے اس کا خط بھی نہیں آیا ہے، کیپٹن۔'' ہیری کھوئے کھوئے لہجے مین بولا۔

''اور اسی لیے تم طرح طرح کے واہمے گھڑ رہے ہو دل میں۔ یہ بیوقوفی ہے۔ جاؤ اس وقت آرام کرو، دوپہر کو میں پھر طلب کروں گا۔''

ہیری باہر نکل آیا، مگر وہ اب بھی بے سکون تھا۔ تا وقتیکہ اسے جودی کی خیریت نہ معلوم ہو جائے۔

اس نے دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا اور جب دوبارہ وہ کپتان کے آفس کی طرف جا رہا تھا، اس کا دماغ سوچ رہا تھا کیوں نہ ان تمام بندھنوں کو توڑ کر وہ نکل جائے۔

''لیفٹننٹ ہیری، یور لیٹر پلیز۔'' اسے میسینجر کی آواز سنائی دی۔ اور اس نے دوڑ کر اس کے ہاتھ سے اپنا خط چھین لیا۔ اس پر نظر پڑتے ہی اس کے چہرے پر سرخی ابھر آئی۔ وہ یقیناً جودی کا خط تھا۔ ویسا ہی لفافہ، وہی لکھائی۔ وہ واپس اپنے خیمے میں آ گیا۔ اس نے جلدی سے لفافہ چاک کر ڈالا اور خط پڑھنے لگا۔ خط کو پڑھتے پڑھتے اس کے چہرے کی تمام اداسی کافور

ہوگئی۔خط انگریزی میں لکھا گیا تھا۔اوراس میں جودی نے لکھا تھا۔''میں یہاں خیریت سے اور بالکل ٹھیک ہوں۔اپنے حالات ضرور لکھتے رہا کرو۔میں رات دن دعائیں کر رہی ہوں کہ یسوع مسیح تمہیں جلد از جلد صحیح سلامت لوٹا لائے۔میری کوئی فکر نہ کرنا۔میری سہیلی میری نگہداشت کرتی رہتی ہے۔بے حساب پیار کے ساتھ _____ تمہاری جودی۔''

اس نے خط کو دو تین بار چوم کر سینے سے لگالیا اور دیوانہ وار خیمے میں ناچنے لگا۔ جودی کے ایک خط نے اس کی تمام پریشانی، تمام مایوسی دور کردی تھی۔اس وقت اگر کوئی اس سے کہتا کہ توپ کے منہ پر بیٹھ جائے تو وہ ہنستے ہنستے بیٹھ جاتا۔اور وہ اپنی کیپ سنبھال کر سیدھا کپتان کے پاس پہنچ گیا۔

''آئی ایم ساری سر۔آپ کا خیال صحیح تھا۔جودی کا خط آگیا ہے۔''وہ جلدی سے بولا۔

''خوب،کیا لکھا ہے اس میں؟''

''سب ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''چلو ایک خوشخبری بھی سنادوں۔''کپتان نے کہا۔

''کیا؟''

''ہماری کمک کے لیے بن غازی میں ایک فضائی ایڈوانس اسپیس قائم کردیا گیا ہے۔آج اس کا کام مکمل ہوجانے کی اطلاع آگئی۔اب پانچ منٹ سے کم وقت میں وہاں سے بمبار طیارے ہماری مدد کو پہنچ سکتے ہیں۔''

''اب ہم یقیناً آگے بڑھ سکیں گے۔''

''سر دست پلان یہ ہے کہ کوئی نقل و حرکت نہ کی جائے۔شمالی افریقی محاذ سے ہمارے فضائی حملے جرمنوں پر کل اچانک شروع ہونگے۔اور اس وقت جب وہ اس طرف بھاگیں گے تو ہم انھیں ادھر سے گھیر لیں گے۔''کپتان نے ایک بڑے چارٹ پر جگہ جگہ پن

سے لگی ہوئی چھوٹی چھوٹی جھنڈیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''تو پھر آج رات ہم چین کی نیند سو سکیں گے؟''

''آج کینٹین میں رقص کا پروگرام ہے۔ بن غازی سے ایک اطالوی رقاصہ آ رہی ہے۔'' کپتان نے بتایا۔

''کیا سلوانیا؟''

''کیوں...؟ تم جانتے ہو کیا اسے؟''

''بن غازی ہی میں ملاقات ہوئی تھی اس سے۔''

''خیر، تب تو ضرور آؤ گے۔''

''آج میں ہر خوشی میں حصہ لینے کے لیے تیار ہوں، کیونکہ آج میں بہت خوش ہوں۔'' لیفٹننٹ ہیری نے کہا۔

''کل ہماری یونٹ کے ۳۵ آدمی ہلاک ہوئے ہیں۔'' کپتان نے گفتگو کا رخ موڑتے ہوئے کہا۔

''مجھے معلوم ہے، جناب۔ مجھے اس کا کم صدمہ نہیں ہوا ہے۔'' وہ پھر اداس ہو گیا۔ اور کیپٹن یہ دیکھ کر مسکرا دیا کہ وہ کتنا زود حساس ہے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سلوانیا

بن غازی میں اگر کوئی مرد اسے پسند آیا تو وہ لیفٹننٹ ہیری تھا۔ وہ دوسرے گورے فوجیوں سے مختلف تھا۔ وطن سے دور جنسی بھوک کے مارے ہوئے فوجیوں کے لیے سلوانیا ایک جنسِ نظیر تھی۔ اس کے ریشمی سیاہ گیسوؤں کے سائے میں انھیں اپنے رومان یاد آجاتے۔ اسے نظر بھر کر دیکھنے سے ان پر ایک نشے کی سی کیفیت طاری ہوجاتی۔ اس کے قرب میں وہ ایسی تسکین محسوس کرتے جیسے تھکے ہارے مسافروں کو کسی گھنیرے درخت کی چھاؤں مل گئی ہے۔ سلوانیا کی حسین مسکراہٹ کچھ دیر کے لیے انھیں ہر فکر سے بے نیاز کر دیتی تھی۔

بن غازی میں جب کبھی کبھی ہیری کی طبیعت گھبراتی تھی، وہ کیفے ویسٹرن میں چلا جاتا تھا۔ اس بڑے سے ہوٹل کا نام اصل میں دارلطرب تھا، مگر جب سے لڑائی چھڑی تھی، اس کے عقلمند مالک، بن حسن، نے اس کا نام کیفے ویسٹرن رکھ دیا تھا۔ کیونکہ اس محاذ کے کھلتے ہی اتحادی کمان نے اسے کرائے پر لے کر بن غازی سے گزرنے، یا یہاں قیام کرنے والی اپنی فوجوں کے لیے وقف کر دیا تھا۔ بن غازی ایک قسم کا ریلیف اسٹیشن تھا۔

راجپوتانہ رائفلز کو بھی تاحکم ثانی یہاں ٹھہرنا پڑا تھا۔ اور لیفٹننٹ ہیری کی سلوانیا سے مڈبھیڑ ہوئی تھی۔ وہ جس قدر خوبصورت تھی، اس سے زیادہ اس کا پرشباب سڈول جسم پرکشش تھا۔ اس سروس سے پہلے وہ روم میں کسی اسٹیج پر کام کرتی تھی، مگر ۱۹۴۷ء میں ہٹلر کے اعلانِ جنگ کے وقت وہ پیرس میں تھی۔ وہ وہاں کسی فرانسیسی فلم کمپنی کے لیے کسی فلم میں کام کرنے گئی تھی۔ پھر جنگ چھڑ جانے کے بعد جب مسولینی ہٹلر کا حلیف بن گیا، تو دنیا کے ہر کونے میں اطالویوں کو شبے کی نظر سے دیکھا جانے لگا۔ چنانچہ سلوانیا نے اتحادی فوج میں ملازمت اختیار کرلی۔ اسے ہٹلر سے تو نفرت تھی ہی، جس نے زبردستی دوسروں کو غلام بنانے، دوسروں کی

پرسکون زندگی میں تباہیاں پھیلانے اور دنیا کو فتح کرنے کے ارادوں کے ساتھ دنیا کو ایک بار پھر بڑی جنگ کی آگ میں جھونک دیا تھا، مگر اسے مسولینی سے اس سے زیادہ نفرت ہوگئی۔ کیونکہ وہ جھوٹا کھانے والے کتے کی طرح ہٹلر کے پیچھے لگ گیا تھا۔ اسے دوسروں کی باتیں سن کر اپنے اطالوی ہونے پر شرم آنے لگی۔

اسے بہر حال فوجی سروس میں پہلے تو شمالی افریقہ بھیجا گیا، پھر بن غازی تبادلہ ہوگیا۔ اور تب سے وہ یہیں تھی۔

پچھلے دنوں جب راجپوتانہ فائفلو کی یونٹ نے بھی یہاں آکر کیمپ کیا، تو اسی فوجی تفریح گاہ میں اس کی مڈبھیڑ لیفٹننٹ ہیری سے ہوئی۔ افسروں اور سپاہیوں میں سب ہی اسے للچائی نظروں سے دیکھتے تھے اور اکثر تو اس کے ساتھ رقص کرنے کے لیے بے چین رہتے، لیکن اس دن جب خود اس نے لیفٹننٹ ہیری کو رقص کی پیشکش کی تو 'تھینکس' کہہ کر اس کی پیشکش ٹھکرا دی۔ بس یہی شانِ بے نیازی اس کی سلوانیا کو پسند آئی تھی۔ اسے ہیری باوقار اور بلند کردار نظر آیا۔ حالانکہ یہ بات خود مغربی تہذیب کے خلاف تھی۔ وہاں کسی حسین لڑکی کی رقص کی پیشکش کو ٹھکرا دینا جنگلی پن ہی تھا۔

آج پھر سلوانیا کا ہیری سے سامنا ہوگیا۔ لیکن خلافِ معمول آج ہیری نے ایک خوشگوار مسکراہٹ سے اس کا خیر مقدم کیا۔ وہ آج بہت مسرور تھا۔ ایک بہت بڑا بوجھ اس کے دل و دماغ سے ٹل گیا تھا۔ اور اس اندیشے کا بوجھ کہ کہیں اس کی بیوی بیمار یا کسی اذیت میں مبتلا تو نہیں ہے۔ اب وہ فیلڈ کے باقی دن ہنستے کھیلتے گزار سکتا تھا۔

''مجھے اس دن کا افسوس ہے۔ اس دن میرا موڈ ٹھیک نہیں تھا۔'' ہیری نے خود ہی سلوانیا سے معذرت کی، لیکن سلوانیا کو آج بھی اس کی آنکھوں میں جنسی بھوک کی چمک نہیں نظر آئی، جو وہ ان لوگوں کی آنکھوں میں دیکھتی تھی جو بڑی گرم جوشی سے اس سے ملتے تھے۔

''مجھے قطعی افسوس نہیں ہے۔'' سلوانیا مسکرائی۔ ''مجھے ایسے لوگ پسند ہیں جو اپنے

آپ میں رہتے ہیں۔'' اس نے کہا۔اور ہیری اس کا مفہوم پوری طرح نہ سمجھ کر بھی خاموش رہا، مگر یہ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی وہ انسان تھا۔اور ایک مرد۔اور جب اپنے نیم عریاں سڈول جسم کے ساتھ ان کے سامنے رقص کرتے ہوئے سلوانیا بجلی بن کر دوسرو کے خرمن عقل وہوش پر گرنے لگی تو اس کی نظریں بھی اس سے محفوظ ہوئے بغیر نہ رہ سکیں۔یہ جو کچھ تھا، ایک ہنگامۂ سفر تھا۔اس لیے اس سے بے نیاز رہنا ایک حماقت ہی تھی۔آج جب سلوانیا نے اسے اپنے رقص کے اختتام پر ساتھ بیٹھ کر پینے کی فرمائش کی تو اس نے انکار نہیں کیا۔

ان فوجیوں میں شاید رشک کا مادہ نہ تھا۔وہ لوگ جنہیں سلوانیا کی طرف سے مایوسی ہوئی تھی، لیفٹنٹ ہیری کی قسمت پر مسکرانے لگے۔شاید وہ اسے اہم یا انہونی بات سمجھتے رہے ہوں، مگر ہیری کے لیے تو یہ کوئی قابلِ غور بات نہ تھی۔سلوانیا کا کام ہی فوجیوں کی دلبستگی کرنا تھا۔البتہ وہ اس طرح خود کسی کی جانب نہ جھکتی تھی اور صرف یہی چیز کچھ خلافِ معمول نظر آ رہی تھی۔

''ہیلو، پادری ہیری ہاورتھ۔'' لیفٹنٹ ہیری کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر کسی نے پیچھے سے کہا۔اور اس نے پلٹ کر دیکھا تو کپتان کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''مجھے خوشی ہوئی کہ تم زندہ دلی کی طرف لوٹ آئے۔'' لیفٹنٹ نے کوئی جواب نہ دیا، صرف مسکراتا رہا۔

''کیا انھیں کچھ ہو گیا تھا، کیپٹن؟'' سلوانیا نے ہیوڈ سے پوچھا۔

''ہاں۔ایک ہندوستانی لیلیٰ مجنوں ہو گیا تھا۔'' وہ بولا۔

''یہ کیا ہوتا ہے؟'' سلوانیا نے کچھ نا کچھ سمجھ کر سوال کیا۔

''تم نہیں سمجھو گی، یہ رومیو جیولٹ سے بھی شدید قسم کا رومان ہوتا ہے۔''

''شش، اس صدی میں، اور ایسی باتیں؟'' وہ ایسی نظروں سے ہیری کی طرف دیکھتے ہوئے بولی، جیسے وہ کوئی نادان بچہ ہو، جسے سمجھایا جا رہا ہو۔

''ہم بھی دیکھیں گے،تم کس طرح اس جانور کو سدھارتی ہو؟'' کپتان نے جھک کر اس کے کان میں کہا۔

'' کیپٹن،عورت آکٹوپس سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔'' سلوانیا نے جواب دیا۔

'' کیا مجھ پر قیاس آرائیاں ہو رہی ہیں کچھ؟'' لیفٹننٹ بول اٹھا۔

''میں ان سے کہہ رہا تھا کہ ہیری شیکسپیئر کا کوئی کردار معلوم ہوتا ہے۔'' کپتان نے جلدی سے بات بنادی۔

''خیال ہے اپنا اپنا۔'' ہیری نے ہنستے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹک کر کہا۔ کپتان سلوانیا کو آنکھ مار کر آگے بڑھ گیا۔اور وہ اس کی طرف متوجہ ہوگئی۔

'' آج میں تمہیں پورا ایک پیرل پلاؤں گی۔''

'' پیرل پلاؤ گی یا شراب؟''

''بس پیتے جاؤ۔'' یہ کہہ کر اس نے پیگ اس کی طرف بڑھادیا۔

'' آج میں تمہارا دل نہیں توڑوں گا،اس لیے کہ قدرت نے میرا دل نہیں توڑا۔پلاؤ کس قدر پلاتی ہو۔'' وہ بولا۔

اور جب دُخترِ رز کا سرور زیادہ ہوگیا تو سلوانیا کے لبوں پر مسکراہٹ رقص کرنے لگی۔وہ اسے ہال سے اپنے کمرے میں لے آئی تھی اور یہاں ان کے درمیان نہ تو دوسروں کے قہقہے حائل تھے، نہ ہال کا شور۔اس نے دیکھا شراب اب لیفٹننٹ ہیری کی آنکھوں سے معصومیت اور سادگی چھینے لے جارہی تھی۔اب ان میں تارے چمکنے لگے تھے۔

سلوانیا نے اپنا گون اتار دیا اور گرمی کا بہانہ کر کے کاغذ کا پنکھا جھلنے لگی۔اب وہ صرف ایک جانگیہ اور ایک اپر پہنے ہوئے تھی،جس سے اس کے سینے کا نچلا نصف حصہ ڈھکا ہوا تھا۔اس کا چاندی جیسا جسم روشنی میں چمک رہا تھا۔کوئی اور ہوتا تو شاید وحشیوں کی طرح اس پر

جھپٹ پڑتا، مگر لیفٹننٹ اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بڑبڑانے لگا۔

''تم خدا کے لیے کوئی کپڑا پہنو، جس سے تمہاری ننگی رانیں تو کم از کم ڈھک جائیں۔ میں انسان ہوں، کوئی فرشتہ نہیں ہوں۔'' اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

''اور میں بھی عورت ہوں، کوئی تقدس مآب دیوی نہیں ہوں۔'' وہ اس کی آنکھوں سے جھٹکے سے اس کے ہاتھ ہٹاتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں بولی۔

''آ...خر تم چاہتی کیا ہو؟''

''میں تمہیں فتح کرنا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ تم سب کچھ بھول جاؤ، سوائے میرے۔''

اور اس رات لیفٹننٹ ہیری واقعی سب کو بھول گیا، اس لیے کہ یاد رکھنے کی طاقت شراب کے نشے نے سلب کر لی اور اس کی رگوں میں الکوحل کی کنکنی بھاپ دوڑ رہی تھی جو اگر باہر نہ نکلتی تو پھٹ پڑتی۔

☆☆☆☆☆☆

وہ دوسرے دن کپتان ہیوڈ سے نگاہیں چار نہ کر سکا۔ کپتان اسے دیکھ دیکھ کر مسکراتا رہا۔ اور اسے جھینپ محسوس ہوتی رہی۔ وہ انگریز ہی تھا اور اس کی تربیت و تہذیب کے مطابق جو کچھ ہوا تھا، وہ کوئی گناہ نہ تھا، نہ کوئی بد دیانتی۔ اس نے تو اپنی تہذیب سے یہی سیکھا تھا کہ جیتو عیش کرتے جیو۔ مگر اس کا ضمیر نہ جانے کیوں بوجھل ہو رہا تھا۔ وہ جیسے اسے ملامت کر رہا ہو کہ ہیری تم نے غداری کی ہے۔ اس معصوم ہستی سے جو ہزاروں میل دور ہندوستان کے ایک شہر میں تمہاری واپسی کے لیے تڑپ رہی ہوگی، جس کی آنکھیں تمہیں دیکھنے کے لیے بے چین ہوں گی، جس کے کان تمہاری آواز سننے کے لیے ترس رہے ہوں گے، وہ تمہاری بیوی ہے۔ تم اس کی امانت ہو۔ خدا جانے یہ شرقی قسم کے خیالات کس طرح اس کے ذہن میں گھس آئے

Akram Allahabadi

تھے۔ سلوانیا مانا کہ حسین، پرشباب تھی، مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وہ اس کے لیے اپنی جودی کو بھول جاتا۔ وہ دن بھر اپنے آپ سے الجھتا رہا۔ ایک طرف جودی کی معصوم اور غمزدہ صورت، دوسری طرف مجسمہ حسن وشباب سلوانیا کا تصور۔

غروب آفتاب کے بعد ہی کمانڈنٹ کا پیغامبر آپہنچا کیمپ میں افسروں کی ایک خفیہ کانفرنس تھی۔ وہ جب وہاں پہنچے تو بریگیڈیئر رشل وہاں خودموجود تھا۔ کپتان اور لیفٹننٹ ہیری نے اپنی نشستیں لے لیں۔ سب کے آچکنے کے بعد بریگیڈیئر رشل کھڑا ہوگیا اور پوائنٹر ہاتھ میں لے کر بورڈ پر لٹکے ہوئے چارٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔

''ہمیں جو خفیہ اطلاعات ملی ہیں، ان کے مطابق جرمنوں کی ایک ایڈوانس یونٹ نے اس نخلستان کے پیچھے کیمپ لگا رکھا ہے۔'' وہ بتانے لگا۔

''تب کیوں نا ہم ان پر اچانک حملہ کر کے خطرہ ہی صاف کردیں۔'' ایک ہندوستانی کرنل حیدرخان نے تجویز پیش کی۔

''نہیں، کرنل۔ اطلاع یہ بھی ہے کہ یہ کوئی معمولی کمپنی نہیں ہے، بلکہ مشرق وسطیٰ کے علاقوں کے لیے جرمنوں نے یہاں خودکار راکٹوں کا اڈا بنا رکھا ہے۔ وہ ان تپتے ہوئے ریتلے میدانوں میں اپنی بری فوج کے آدمیوں سے کام لینا نہیں چاہتے۔'' بریگیڈیئر نے بتایا۔ اور اس انکشاف پر سب چونک پڑے۔ انھوں نے جرمنی کی اس نئی ایجاد کے بارے میں ضرور سنا تھا، لیکن کوئی نہ جانتا تھا کہ وہ کیا چیز ہوگی؟ کیسی ہوگی؟ یہ جرمنی کے جدید ترین ایجاد تھی۔ اور سنا گیا تھا کہ یہ راکٹ کی ایک قسم کا بم ہی ہوتا ہے جو ریڈیو کنٹرول کے ذریعے اڑایا جاتا ہے۔ اس میں کوئی پائلٹ نہیں بیٹھتا۔ اور یہ مقررہ نشانے پر ہی جا کر پھٹتا ہے۔ شاید جرمن فوجیں ان لق ودق ریگستانوں میں ہی پہلے اس ایجاد کو دشمن پر آزما رہی تھیں۔

''یعنی وہ کسی وقت بھی ہمیں تباہ کرسکتے ہیں؟'' کپتان ہیوڈ نے پوچھا۔

''آثار تو ایسے ہی ہیں۔'' بریگیڈیئر اس کی طرف دیکھے بغیر بولا۔ ''لیکن کچھ کسر رہ

Akram Allahabadi

گئی ہے۔"

"یہ چیز ہائی کمان کے علم میں بھی ہوگی؟" کرنل نے اس سے پوچھا۔

"میرے ذہن میں ایک پلان ہے، لیکن اس کے لیے ہمیں کم از کم دس ایسے جانباز چاہئیں جو دانستہ موت کے منہ میں کود پڑنے کو تیار ہوں۔"

"کیا بریگیڈیئر رسل اس پلان کی وضاحت کریں گے؟" ایک میجر نے کھڑے ہو کر کہا۔

"میں چاہتا ہوں کہ رات کے اندھیرے میں بڑی احتیاط سے ایک آفیسر اور دس آدمیوں پر مشتمل ایک دستہ جو چھوٹے اسلحے سے لیس ہو قبائلی عربوں کے بھیس میں جنوبی ریگزاروں سے ہوتا ہوا اس کے عقب میں پہنچ جائے۔ ہائی کمان کو جو خفیہ ریڈیائی اطلاعات ملی ہیں، ان کے مطابق آج ہی رات کو ایک جرمن طیارہ ان بمبار راکٹوں کو بلواپ کرنے والی مشین لے کر الادریس کے ہوائی اڈے پر پہنچ رہا ہے۔ یہ ہوائی اڈہ جرمن کیمپ سے تقریباً ۵۰ میل پر واقع ہے۔ اور جرمنوں کے قبضے میں ہی ہے۔ یقیناً اس مشین کو رات ہی رات میں جرمن اڈے پر لایا جائے گا اور کیونکہ یہ انتظام قطعی خفیہ ہے، اس لیے اس کے لیے زیادہ حفاظتی اہتمام بھی نہ ہوگا، بس اسی موقع سے فائدہ اٹھا کر راستے میں قبائلی لٹیروں کی حیثیت سے ان پر چھاپا مار دیا جائے اور کسی طرح اس مشین کو قبضے میں لے کر تباہ کر دیا جائے۔" بریگیڈیئر نے بتایا۔

"کیا یہ کام ہمارا کوئی طیارہ نہیں کر سکتا؟" کرنل نے پوچھا۔

"ان کی طیارہ شکن توپیں ہر وقت مستعد رہتی ہیں۔ اور ایک بار اگر وہ چونک پڑے تو پھر ناممکن ہوگا کہ اس مشین پر ہاتھ ڈالا جا سکے۔"

بریگیڈیئر کی اس تجویز کو سن کر وہ سب سوچ میں پڑ گئے۔ مگر لیفٹننٹ ہیری اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"میں اس فرض کو پورا کرنے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے بپھرے ہوئے لہجے میں

کہا۔اور سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔''میں اپنی یونٹ سے اپنے ساتھی چن لوں گا۔''

''شاباش لیفٹننٹ۔''بریگیڈیئر کے منہ سے نکلا۔

''لیکن کسی ہندوستانی یونٹ کے آدمیوں کو ان کے ساتھ بھیجنا ٹھیک نہ ہوگا۔''ایک انگریز میجر نے دخل دیا۔

''کیوں؟'' ہیری اس کی طرف پلٹ پڑا۔''کیا آپ ان ہندوستانیوں کی وفاداریوں پر شبہ کر رہے ہیں،جنہوں نے اپنے فرض کی ادائیگی میں آپ سے زیادہ بہادری اور جانثاری کا ثبوت دیا ہے۔آپ صرف حکم دینا جانتے ہیں۔آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ دشمن کی گولیوں کو سینوں پر روکنے والے کون لوگ ہیں۔''ہیری کو یہ کہتے کہتے جوش آ گیا۔

''بریگیڈیئر،میجر پیکسی میری قوم کی توہین کر رہے ہیں۔''کرنل حیدر کو بھی جوش آ گیا۔وہ میجر کو خشمگیں نظروں سے گھورنے لگا۔

''اوہ،ہم بھی ایک آدمی کی جہالت سے کس فضول بحث میں الجھ گئے۔''بریگیڈیئر جھنجلا کر میجر کی طرف دیکھنے لگا۔''مجھے افسوس ہے،میجر،کہ آپ ۱۸۵۷ء کے دور سے بھی پیچھے کے انگریز ہیں۔مجھے خوشی ہوگی اگر آپ جیسے ناعاقبت اندیش آفیسر میری کمان...''اس نے کہا۔

میجر پیکسی کے لیے اس سے بڑی مہذب گالی اور کیا ہو سکتی تھی۔اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔وہ آئی ایم ساری کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''ویل لیفٹننٹ،میری طرف سے اجازت ہے کہ آپ اپنے ساتھی خود چن لیں۔'' بریگیڈیئر نے ہیری کی طرف دیکھ کر کہا۔

اس کے بعد میٹنگ برخواست ہو گئی۔

☆☆☆☆☆☆

تم نے بہت بڑا رسک لیا ہے،ہیری۔یہ بڑا خطرناک کام ہے۔'' کیپٹن ہیوڈ نے

یونٹ میں واپس آ کر اس کی پیٹھ ٹھونکتے ہوئے کہا۔

''کیپٹن، موت ہر جگہ آ سکتی ہے، چاہے بستر ہو یا میدانِ جنگ۔''

''خیر خیر، خدا تمھیں کامیاب کرے اور صحیح سلامت لوٹائے۔'' ہیوڈ نے اسے دعا دی۔

تقریباً تین گھنٹے کے بعد رات کے تاریک سناٹے میں لیفٹننٹ ہیری اپنے دس ساتھیوں سمیت کیمپ سے روانہ ہو گیا۔ کرنل نے اس جماعت کے لیے بن غازی سے تیز رفتار گھوڑوں کا انتظام کر دیا تھا۔ اس نے اپنے ساتھیوں میں ۹ ہندوستانی چھانٹ لیے تھے اور ایک آسٹریلوی سارجنٹ۔ ہندوستانی ساتھیوں میں اس کا ایک بے تکلف دوست سیکنڈ لیفٹننٹ مہندر سنگھ امرتسر کا ایک نوجوان سکھ تھا، جس نے ۱۹۳۷ء میں ہی کمیشن لیا تھا۔ وہ ہیری کو اس کی صاف گوئی، سادگی اور انسانیت پسندی کے لیے بہت پسند کرتا تھا۔ اور اکثر جب وہ میس یا کینٹین میں یکجا ہوتے تو ان میں عالمی سیاست پر اور قوموں کے تضاد پر بحث چھڑ جاتی۔ بعض انگریز آفیسر تو ہیری سے محض اس لیے کشیدہ رہتے تھے کہ وہ ہندوستانیوں سے بہت گھل مل کر رہتا تھا۔

انھیں جرمن کیمپ کا راستہ کاٹ کر اس کے عقب میں جانے کے لیے تقریباً تیس میل کا فاصلہ طے کرنا تھا۔ اور ریت میں تیز رفتار گھوڑے بھی زیادہ سے زیادہ دس میل فی گھنٹہ سے زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتے تھے۔ ریت میں گھوڑے دوڑانے کا سب سے بڑا فائدہ یہی تھا کہ ان کے ٹاپوں کی آواز نہیں ہوتی۔ ورنہ وہ ٹرک یا کاریں بھی استعمال کر سکتے تھے۔ مگر اس سے انہیں دہرا خدشہ تھا۔ کاروں کے انجن کی آواز ریگزار کے گہرے سناٹے میں انھیں دور سے سنائی دے جاتیں، دوسرے اس طرح وہ قبائلی عرب نہ معلوم ہوتے اور انھیں راستے میں عرب بدو ٹوک دیتے یا الجھ پڑتے۔

وہ بہر حال کامیابی کے ساتھ تین گھنٹے سے بھی کم وقت میں الادریس کے ہوائی

اڈے کے قریب پہنچ گئے۔ راستے میں کسی سے مڈبھیڑ بھی نہیں ہوئی۔ صرف ایک عرب خانہ بدوش ملا، جو رات کے سناٹے میں اپنے اونٹ پر بیٹھا رباب بجاتا جا رہا تھا اور اس نے بھی انھیں قبائلی سمجھ پہلے ہی سے دوڑ کر 'السلام علیکم یا اخی' کا نعرہ مار دیا، جس کا جواب بناوٹی لہجے میں لیفٹننٹ ہیری کو ہی 'وعلیکم السلام' سے دینا پڑا۔

الادریس کے قریب انھیں ایک برباد قصبے کے آثار نظر آئے، یا شاید یہی الادریس کا ناؤن تھا، جسے جرمنوں نے مسمار کر دیا ہوگا۔ یہاں کسی ذی روح کا پتا نہ تھا۔ البتہ مکانوں کے ویران کھنڈر بھائیں بھائیں کر رہے تھے۔

''یہ بڑی اچھی جائے پناہ مل گئی ہمیں۔'' سیکنڈ لیفٹننٹ سنگھ نے ہیری سے کہا۔

''یہاں چھپ کر ہم اطمینان سے اس جرمن کا نوائے کا انتظار کر سکتے ہیں۔''

''ہاں، لیکن پہلے دیکھ لیا جائے کہ یہاں بھی کوئی جرمن نگران موجود نہیں ہے۔'' ہیری نے کچھ فاصلے پر ٹھہر کر کہا۔

''یہ کام میں کر سکتا ہوں۔ میں نے پنجاب یونیورسٹی میں اپنے ایک دوست سے تھوڑی سی عربی سیکھی تھی۔ ٹوٹی پھوٹی بول اور سمجھ لوں گا۔'' لیفٹننٹ سنگھ نے اسے روک کر کہا۔

''اگر کوئی خطرہ دیکھو تو فلیش لائٹ سگنل دے دینا، مگر اوپر نہیں، اسی ڈائرکشن میں۔'' ہیری نے اسے ہدایت کی۔

سنگھ اپنے گھوڑے سے اتر گیا اور ریت پر لیٹ کر آہستہ آہستہ ان کھنڈروں کی طرف رینگنے لگا۔ باقی لوگ ایک شکستہ دیوار کی آڑ میں اپنے گھوڑوں پر کھڑے ہو گئے۔

لیفٹننٹ ہیری کا اندیشہ درست نکلا۔ سنگھ ابھی ایک شکستہ مکان کے دروازے میں جھانک ہی رہا تھا کہ اسے، باہر چبوترے پر ایک عربی لباس پہنے ہوئے مسلح آدمی بیٹھا ہوا نظر آیا۔ پہلے تو سنگھ نے سوچا کہ فائر کر دے، مگر پھر کسی خیال سے وہ رک گیا۔ اس نے ایک پتھر اٹھا کر ایک اندھیرے کھنڈر کی طرف پھینک دیا۔ کھٹکا ہوتے ہی وہ آدمی چونک پڑا۔ بندوق سیدھی

کر کے دبے قدموں کھنڈر کی طرف چلنے لگا۔ابھی وہ اس کے سامنے پہنچا ہی تھا کہ پیچھے سے لیفٹننٹ سنگھ نے کسی چالاک چیتے کی طرح اس پر جست ماری اور اسے دبوچ لیا۔پھر وہ اس کا گلا اس وقت تک دباتا رہا، جب تک کہ وہ بے دم ہو کر نہ گر پڑا۔سنگھ نے اس کی بندوق اٹھالی اور جیب سے ایک چھوٹی سی ٹارچ نکال کر اس کی روشنی میں اسے دیکھنے لگا۔بندوق جرمن تھی اور اس پر نمبر اور ٹائپ سب جرمن حروف کے تھے۔پھر اس نے رومال سے جب اس آدمی کے چہرے کو رگڑا تو اس کے سیاہ رنگ کی جگہ سفید و سرخ جلد جھانکنے لگی۔اس کے بعد سنگھ نے دوسرے کھنڈر بھی دیکھ ڈالے،مگر اسے وہاں کوئی نہ ملا۔البتہ جس جگہ وہ آدمی بیٹھا ہوا تھا، وہیں پتھر کے نیچے اسے ایک چھوٹا سا ٹرانسمیٹر ملا۔شاید وہ اسی کے ذریعے اطلاعات نشر کرتا تھا۔

سنگھ ٹرانسمیٹر کو قبضے میں لے کر دوڑتا ہوا اپنے ساتھیوں کے پاس آ پہنچا اور وہ سب الادریس کے کھنڈروں میں داخل ہو گئے۔کافی دیر کے بعد انھیں کچھ سائے نظر آئے۔وہ صرف ملٹری ٹرک تھے،جن میں سے ایک کافی لمبا تھا۔مشین ضرور اسی پر رہی ہوگی۔کیونکہ اس کے اوپر تارپین پڑی ہوئی تھی۔دونوں پر جرمنی نشان سواستک بنا ہوا تھا۔

وہ چوکنے ہو کر کھنڈر میں رینگتے ہوئے اور قریب آ گئے۔

''سوال یہ ہے کہ اب ان پر حملہ کس طرح کیا جائے؟'' لیفٹننٹ سنگھ نے کہا۔

''دستی بموں سے پہلے دونوں ٹرک اڑا دیے جائیں۔'' ہیری نے کہا۔

''ٹھہرو۔بریگیڈیئر رسل نے بتایا تھا کہ وہ لوگ عربوں کو دوست سمجھتے ہیں۔''

''لیکن ہاں، شاید اس معاملے میں دوستی نہ برتیں۔یہ ان کا ملٹری سیکرٹ ہے اور خطرناک بات ہوگی کہ کھلے میدان میں ان کے سامنے پہنچ جائیں۔'' ساتھی سارجنٹ نے رائے دی۔

''تو پھر سب سے بہتر یہی ہے کہ کھنڈروں سے فائرنگ کر کے انھیں جوابی فائرنگ میں مصروف کر لیا جائے اور اتنی دیر میں میں اور سنگھ دائیں بازو سے رینگ کر قریب پہنچ جائیں

گے۔بس پھر دو چار دستی بموں میں ان کا صفایا ہو جائے گا۔'' لیفٹنٹ ہیری نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

چنانچہ اس تجویز پر عمل کیا گیا۔ویران کھنڈروں سے اچانک فائرنگ شروع ہوتے ہی ٹرک تھم گئے اور ادھر سے مشین گنوں سے جوابی فائرنگ ہونے لگی۔انھوں نے پہلے ایک اسپارک بم پھینکا اور پھر اسی کی روشنی میں کھنڈروں پر پر گولیوں کی بارش کر دی۔

وہ ادھر مصروف تھے،اور اپنی جان ہتھیلی پر لیے لیفٹنٹ ہیری اور سنگھ کافی فاصلے سے دائیں سمت میں رینگتے ہوئے ان ٹرکس کے قریب پہنچ رہے تھے۔جرمن سپاہی اپنی زبان میں شور مچا مچا کر ایک دوسرے سے کچھ کہہ رہے تھے، کیونکہ فائرنگ کے شور میں ان کی آوازیں صاف نہیں سنائی دیتی تھیں۔

اچانک ایک دھماکہ ہوا اور ان میں سے ایک ٹرک الٹ گیا۔اور اتفاق سے وہ اسی طرف الٹا جس طرف اس ٹرک سے اترنے والے اس کی آڑ لے کر فائرنگ جواب دے رہے تھے۔ٹرک کے الٹتے ہی جو لوگ بچ کر بھاگنے لگے ان کو ہیری کے ساتھیوں نے باڑھ پر رکھ لیا اور ان کی لاشیں میدان میں تڑپنے لگیں۔یہ دیکھ کر دوسرے ٹرک والے جو تعداد میں تھوڑے سے ہی تھے اور وہ دو دھماکوں سے ٹکڑوں میں تقسیم ہو کر اڑ گیا۔فائرنگ بند ہو گئی اور لیفٹنٹ ہیری کے آدمی کھنڈروں سے باہر نکل آئے۔لیفٹنٹ ہیری اور سنگھ جوشِ مسرت میں فتح کا نعرہ مارتے ہوئے کھڑے ہو گئے،مگر کسے معلوم تھا کہ دم توڑتا ہوا ایک جرمن سپاہی ابھی اس قابل ہے کہ ٹرائیگر پر انگلی دبا سکے۔فائر ہوتے ہی لیفٹنٹ ہیری اچھل پڑا۔اس نے سنگھ کو جھٹکے سے زمین پر گرانا چاہا،مگر اس وقت تک تقدیر اپنا کام کر چکی تھی۔ہنستے کھیلتے سنگھ کے بازو کے پاس ٹھیک ہنسلی کے نیچے گولی لگی اور وہ تڑپتا ہوا زمین بوس ہو گیا۔اس کے ساتھ ہی ہیری کی رائفل کی گولی اس لب دم جرمن کا کام بھی تمام کر چکی تھی۔وہ بندوق پھینک کر سنگھ پر جھک گیا۔

''یہ کیا ہو گیا تمھیں،سنگھ؟ کہاں لگی گولی؟'' وہ اسے جھنجھوڑ کر بولا۔

''میری فکر نہ کرو، لیفٹنٹ۔اپنے آدمیوں کو لے کر نکل جاؤ، ورنہ دھماکوں کی آواز سنتے ہی دشمن اپنے کیمپ سے دوڑ پڑے ہوں گے۔'' لیفٹنٹ سنگھ نے تکلیف کی شدت سے کراہتے ہوئے کہا۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا؟ میں تمھیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے جلدی سے لیفٹنٹ سنگھ کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا اور اپنے آدمیوں کو واپس کھنڈروں کی طرف دوڑنے کی ہدایت کرتا ہوا خود بھی بھاگنے لگا۔لیفٹنٹ سنگھ زیادہ وزنی نہ تھا، پھر اپنے ہی جیسے ایک آدمی کو اٹھا کر دوڑنا کچھ آسان کام نہ تھا۔گھوڑوں تک پہنچتے پہنچتے وہ ہانپنے لگا۔

ان سے جس قدر تیز ہو سکا وہ بھاگ نکلے۔گھوڑے بھی کیونکہ کافی ستا چکے تھے، اس لیے انھوں نے بھی پھرتی دکھائی، مگر کوشش کے باوجود لیفٹنٹ ہیری کا گھوڑا سب سے آخر میں رہا، کیونکہ اس پر دو آدمیوں کا وزن تھا۔ہیری نے لیفٹنٹ سنگھ کو اپنے آگے گھوڑے پر ڈال لیا تھا اور سنگھ کا گھوڑا خالی تھا، ورنہ اس پر اگر سنگھ کو ڈال دیا جاتا تو وہ کب کا کہیں گر چکا ہوتا۔

وہ بمشکل ابھی چند میل ہی گئے تھے کہ ایک بھیانک آواز نے انھیں چونکا دیا۔سر پر آئی ہوئی موت کے خیال سے ان میں سے کئی لرز اٹھے۔وہ یقیناً کسی بمبار طیارے ہی کی گونج تھی۔پھر انھیں آسمان میں اس کی سرخ روشنی بھی نظر آ گئی۔وہ تیزی سے پرواز کرتا ہوا اسی علاقے پر چکر لگا رہا تھا۔پھر وہ اور نیچا ہو کر پرواز کرنے لگا۔

''یہ ابھی اپنی سرچ لائٹ پھینکے گا اور ہم نظر آ جائیں گے۔'' لیفٹنٹ نے چیخ کر کہا۔ اور سب آگے جانے والے سست پڑ گئے۔وہ اس کے قریب آ گئے۔

''پھر ہم کیا کریں؟''

''میرا خیال ہے ہمیں خود کو قبائلی عربوں کی حیثیت دے گرفتار کرا دینا چاہیے۔اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ ہم نے ہی ان کے ٹرکس پر حملہ کیا ہے۔کیونکہ نہ کھنڈر کا محافظ زندہ بچا ہے اور نہ ٹرکس کے آدمی۔''

''لیکن لیفٹننٹ سنگھ؟'' ایک جمعدار نے سوال کیا۔

''مم...میری پرواہ مت کرو۔میرے کپڑے اتار کر یہیں کہیں مجھے ڈال دو۔میں ان سے کہہ دوں گا کہ حملہ ہم نے کیا تھا اور ہمارے آدمیوں کو بدوؤں نے ختم کیا ہے۔'' لیفٹننٹ سنگھ نے جو اس وقت کچھ ہوش میں تھا، ٹکڑوں ٹکڑوں میں کہا۔

''یس، لیفٹننٹ، انھیں ہم کہاں کہاں اٹھاتے پھریں گے۔'' گورے سارجنٹ نے اسے مشورہ دینا چاہا۔

''سارجنٹ، تمھیں اپنی جان بچانی ہے تو بھاگ جاؤ یہاں سے۔میں سنگھ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔'' لیفٹننٹ ہیری نے اسے نفرت بھری نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

''کم از کم میں تو ایک دم توڑتے ہوئے آدمی کے لیے اپنی جان خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔'' یہ کہہ کر سارجنٹ نے ایڑ لگائی اور اپنا گھوڑا دوڑا دیا۔

''تو ہم کیا کریں؟ آپ حکم دیں۔'' دوسروں نے ہیری سے پوچھا۔

''جلدی کرو، جہاز اور نیچے چکر کاٹ رہا ہے۔ہمیں فوراً صرف سروں کو چھوڑ کر باقی جسم ریت میں چھپا لینے چاہئیں، ورنہ اگر اس کی سرچ لائٹ اسپارک بم کی روشنی میں ہم لوگ نظر آ گئے تو وہ لوگ ہمیں بھون ڈالیں گے۔'' اس نے جلدی سے گھوڑے سے خود اتر کر سنگھ کو اتارتے ہوئے ان سے کہا۔

''اور ہمارے گھوڑے؟''

''انھیں مار کر بھگا دو، صرف یہی ایک صورت ہے۔''

''پھر تو ہم بے موت مارے جائیں گے؟''

''شاید کچھ دیر بچ رہنے سے ہماری کوئی کمک آ جائے۔'' لیفٹننٹ نے کہا۔

وہ سب گھوڑوں سے کود پڑے اور گھوڑوں کو چابک مار کر انھوں نے آگے دوڑا دیا۔

پھر وہ بڑی تیزی سے ریت پر لیٹ کر سرکے سوا باقی جسم کو ریت سے ڈھانپنے لگے۔

Akram Allahabadi

لیفٹننٹ ہیری کا خیال صحیح نکلا۔ وہ طیارہ اب زمین سے تقریباً سو دو سو فیٹ کی بلندی پر آگیا تھا۔ اور اس کی سرچ لائٹ آن ہوتے ہی روشنی سے ریگزار جگمگا اٹھا۔

اپنی آنکھوں سے اپنے ساتھی سارجنٹ کا انجام دیکھ کر کانپ اٹھے۔ وہ دور جاتا نظر آرہا تھا اور جس قدر تیز ہوسکتا تھا، گھوڑے کو بھگا رہا تھا، لیکن سرچ لائٹ کی زد میں آتے ہی طیارے سے مشین گن کی مسلسل فائرنگ کی آواز کے ساتھ وہیں ڈھیر ہوگیا۔ پھر انھوں نے اپنے گھوڑوں کا وہی حشر دیکھا۔ گھوڑے کیونکہ بھاگ رہے تھے، اس لیے جرمنی حملہ آور یہی سمجھے ہوں گے کہ ان پر آدمی سوار ہیں اور انھوں نے ان کو بھی طیارے سے برستی ہوئی مشین گن کی گولیوں سے چھلنی کر دیا۔

اس کے بعد طیارے نے میدان کے دو چکر لگائے اور سرچ لائٹ سے زمین روشن کرتا رہا، لیکن اسے جب کوئی انسان نظر نہ آیا تو وہ اونچا اٹھ کر دارلادریس کے فضائی اڈے کی طرف لوٹ گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

موت کی پناہ میں

وہ اس کے بعد کئی منٹ تک گم سم پڑے رہے۔اور جب انھیں اطمینان ہوگیا کہ اب کوئی خطرہ نہیں ہے تو وہ اپنے اوپر کی ریت ہٹا کر اٹھ بیٹھے۔

''ساتھیو! یہاں تک تو خیریت سے گزری ہے، لیکن اب ہمیں پیدل چلنا ہوگا اور ریت میں ۳۵ میل کا سفر آسان نہیں ہے۔اگر ہم صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے اپنے کیمپ تک نہ پہنچ پائے تو زندہ نہ بچ سکیں گے۔''اس نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا۔

''ہم کوشش ضرور کریں گے۔موت اور زندگی خدا کے ہاتھ میں ہے۔'' اس کی یونٹ کے ایک مسلمان سپاہی نے پر جوش لہجے میں جواب دیا۔

وہ پھر چل پڑے۔زخمی لیفٹننٹ سنگھ کو وہ باری باری اٹھا کر چل رہے تھے۔ان کے کان اس وسیع اور حدِ نظر تک ویران نظر آنے والے ریگزار میں کسی خفیف سی آہٹ سے بھی غافل نہ تھے۔اور وہ اس کے لیے قطعی مستعد تھے کہ کوئی کھٹکا ہوتے ہی زمین پر دبک جائیں۔ ریت میں دھڑ چھپا لینے کی ان کی ترکیب کافی کامیاب ہوئی تھی۔اس لیے دشمن کی نظروں سے بچنے کا یہ آسان طریقہ تھا۔

ان سے جس قدر اور جہاں تک ہوسکا، وہ چلتے رہے اور تین گھنٹے کے بعد جب وہ ایک جگہ ٹھہرے تو انھیں محسوس ہوا کہ وہ ابھی نصف فاصلہ بھی نہیں طے کر سکے ہیں۔لیفٹننٹ سنگھ اب بے ہوش ہوگیا تھا۔شاید زخم سے خون زیادہ بہہ گیا تھا۔ایک شاندار حماقت ان سے ہوئی کہ وہ اسی گڑبڑ میں اپنا پاکٹ ٹرانسمیٹر چھوڑ آئے تھے، ورنہ کیمپ کو خبر دینے کی کوشش کرتے۔

اچانک ایک جگہ لیفٹننٹ ہیری کے قدم رک گئے۔

''تم نے کچھ سنا؟''اس نے ساتھ چلتے ہوئے جمعدار سے پوچھا۔

''نہیں تو۔''جمعدار چاروں طرف نگاہیں دوڑا کر بولا۔

''کیا تم نے کسی کے کراہنے کی آواز نہیں سنی؟''اس نے پھر سوال کیا۔

''آپ کو وہم ہوا ہوگا۔بھلا اس ویرانے میں کون کراہتا ہوگا؟ یہاں تو کسی چوہے کے بچے کا بھی نام نہیں۔''

''میں نے ابھی کسی کے کراہنے کی آواز سنی ہے۔''

''تو شاید لیفٹنٹ تکلیف سے کراہ رہے ہوں گے۔''

''ہاں شاید۔''خود لیفٹنٹ ہیری بھی شبے میں پڑ گیا۔

''ہوسکتا ہے...ہوسکتا ہے۔''وہ بڑبڑایا۔

اور اس خیال کے ساتھ ہی پچھلی رات کا بھی اسے خیال آ گیا۔ممکن ہے وہ بھی اس کا وہم ہی رہا ہو،یا کوئی زخمی ایسا کراہتا ہوں جس پر اس کی بیوی کی آواز کا دھوکا ہو جائے،یا وہ ذہنی طور پر جودی کی یاد سے اس قدر متاثر ہوا ہے کہ ایسں کوئی دوسری آواز بھی جودی کی ہی آواز معلوم ہوتی ہو۔ممکن ہے کوئی آس پاس کراہتا رہا ہو۔کیونکہ اس کی وائف تو خیریت سے ہے۔ابھی پرسوں ترسوں ہی اس کی چھٹی آئی تھی۔

وہ یہی سوچتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔مگر چند قدم پر اسے پھر وہی آواز سنائی دی اور اس کے باوجود کہ وہ اسے بہت صاف نہیں سن سکا تھا،وہ لیفٹنٹ کی تو ہرگز نہیں تھی۔

پھر اس ویرانے میں یہ آواز کس کی تھی اور کہاں سے آئی تھی؟ وہ سوچ میں پڑ گیا۔اور اسی سوچ میں اس کی رفتار اتنی سست پڑ گئی کہ دوسرے اس سے کافی آگے نکل گئے۔

رہنمائی لیفٹنٹ ہیری کے ہی سپرد تھی۔سپاہی آگے جاتے ہوئے بھی یہ جانتے تھے کہ اگر وہ غلط سمت جائیں گے تو لیفٹنٹ انھیں ٹوک دے گا۔

ہیری نے لاکھ اپنے ذہن کو ان کراہتی ہوئی آوازوں سے خالی کرنا چاہا۔اس نے انھیں وہم سمجھ کر کسی زخمی کی کراہ سمجھ کر قطعی فراموش کر دینے کی کوشش کی،لیکن نہ جانے کیوں وہ

جس قدر اس سے بے نیازی برتتا رہا، جودی اسی قدر اسے یاد آتی گئی۔ مگر اسے اس کی یاد کے ساتھ طرح طرح کے وہم گھیر لیتے ہیں۔ خدا جانے وہ کیسی ہو؟ خدا جانے اس پر کیا گزر رہی ہو؟

اس کا دماغ الجھتا رہا اور قدم اٹھتے رہے، قافلہ چلتا رہا۔ تھکا ہارا، ریت میں قدم جماتا اٹھاتا، یہاں تک پو پھٹنے کے آچار نمایاں ہونے لگے اور وہ گھبرا گئے۔

''صاحب، سویرا پھوٹ رہا ہے اور ابھی تک اپنے کیمپ کے آثار بھی ہم کو نظر نہیں آرہے ہیں۔'' ایک جمعدار نے اس کے قریب آکر کہا۔

''ہاں، خدا جانے ابھی کتنی دور ہیں ہم، لیکن اجالا ہو گیا تو بہت برا ہوگا۔ ہم دیکھ لیے جائیں گے۔'' ہیری خود بھی پریشان ہو کر بولا۔

''لیفٹننٹ سنگھ کو نہ ہوش آیا ہے اور نہ بچنے کی امید معلوم ہوتی ہے۔ ان کی نبض بہت آہستہ چل رہی ہے۔'' ایک دوسرے ساتھی نے اسے بتایا۔

''کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔ یہاں قریب کوئی بستی بھی نہیں ہے اور ہم سب بری طرح تھک چکے ہیں۔''

لیکن ابھی وہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ انھیں کسی طیارے کے انجن کی آواز سنائی دی۔ کوئی طیارہ پرواز کر رہا تھا، لیکن یا تو وہ بہت دور تھا، یا بہت اونچا، کیونکہ آواز بہت مدھم تھی۔

''خدا جانے طیارہ ہمیں تلاش کر رہا ہے یا کوئی جرمن طیارہ ہے۔'' لیفٹننٹ نے آسمان کی تاریک خلا میں گھورتے ہوئے کہا۔

''صاحب، اب تو سنگھ صاحب کو لے کر چلنا بہت مشکل ہو گیا ہے، کسی میں دم نہیں جو اٹھا کر چلے۔'' ایک سپاہی اس کے سامنے آکر بولا۔

ہیری اسے کوئی جواب دیے بغیر خود بے ہوش پڑے ہوئے سنگھ کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے اس کی نبض ٹٹولی۔ وہ واقعی بہت آہستہ چل رہی تھی اور شاید وہ تھوڑی دیر کا ہی مہمان تھا۔

''سنگھ، میرے دوست، تمہارے بچھڑنے کا غم مجھے ہمیشہ رہے گا۔'' وہ اس کے

چہرے پر نظریں گاڑ کر بڑبڑ لیا۔

پھر انھوں نے وہیں ریت میں ابھرے ہوئے ایک پتھر کے نیچا سے لٹا دیا۔

''ممکن ہے کوئی معجزہ اسے بچا لے۔ شاید صبح کوئی عرب قبیلہ ادھر سے گزرے اور اسے دیکھ لے۔'' وہ سنگھ کو الوداعی نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ حالانکہ وہ سبھی جانتے تھے کہ ایسی توقع ایک سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ سیکنڈ لیفٹننٹ اب تو تقریباً مردوں کی فہرست میں داخل ہو چکا تھا۔

وہ پھر آگے بڑھنے لگے۔ طیارے کی آواز انھیں کبھی صاف سنائی دیتی کبھی مدھم۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ابھی تک چکر لگا رہا تھا، مگر کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اسے فلیش لائٹ سگنل دے سکیں، کیونکہ زیادہ امکان یہی تھا کہ وہ کوئی جرمن طیارہ ہوگا۔ کچھ دیر بعد اس کی بھربھراہٹ اور قریب سنائی دینے لگی۔

''جلدی ریت میں دبک جاؤ، وہ غوطہ لگا رہا ہے۔'' ہیری نے ساتھیوں کو پکارا۔ اور جہاں تھے، وہیں ریت میں دبک گئے۔ انھوں نے جلدی جلدی اپنے دھڑ ریت میں چھپا لیے۔ طیارہ زیادہ نیچا نہیں تھا۔ وہ ان پر سے سرچ لائٹ پھینکتا ہوا گزر گیا، لیکن گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں وہ یہ بھی نہ دیکھ سکے کہ طیارہ دشمن کا تھا یا اپنا۔ طیارہ اب دور جا چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

سویرا پھوٹتے ہی وہ حیران رہ گئے۔ انھوں نے جو کچھ دیکھا وہ خلاف توقع اور مایوس کن تھا۔ وہ راستہ بھٹک کر جرمنی کیمپ کے قریب پہنچ گئے تھے۔

''ارے، برے پھنسے۔'' لیفٹننٹ چیخا۔ ''یہ تو جرمنوں کا کیمپ ہے۔'' یہ سنتے ہی اس کے ساتھیوں نے بھاگنا چاہا، مگر ہیری نے انھیں روک دیا۔

''بھاگنے کی کوشش کی تو وہ ہمیں گولیوں سے بھون ڈالیں گے۔ خیریت اسی میں

ہے کہ ہم عرب قبائلیوں کی حیثیت سے ان کے پاس چلیں۔'' ہیری نے کہا۔

''اور جو وہ پہچان گئے؟'' ایک نے پوچھا۔

''دونوں صورتوں میں صرف موت ہی ہمارا انجام ہوسکتا ہے، لیکن انھیں شبہ نہ ہوا تو ہم بچ بھی نکلیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ خود ہی بڑھا۔ جرمن محافظوں نے انھیں دیکھ لیا تھا اور یہی نہیں بلکہ انھیں اپنے پیچھے بھی جرمن سپاہی نظر آئے جو ٹیلوں کی آڑ سے اس ٹین گنیں لیے نکلے تھے۔ وہ خود ہی کیمپ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ خاردار احاطے کے گیٹ پر انھیں ایک جرمن آفیسر نظر آیا جو انھیں دور ہی سے گھور رہا تھا۔

''السلام علیکم یا حبیب۔'' لیفٹننٹ ہیری نے عربوں جیسا لہجہ بنا کر اسے مخاطب کیا، مگر اس نے کوئی جواب دینے کی بجائے اندر جانے کا اشارہ کیا اور وہ آگے پیچھے اس احاطے میں داخل ہوگئے۔ انھیں اب ایک ایسے خیمے کی طرف لے جایا جارہا تھا جس کے باہر ایک چبوترے پر جرمن فلیگ لہرا رہا تھا۔

باقی آدمیوں کو باہر چھوڑ کر لیفٹننٹ ہیری کو اندر لے جایا گیا۔ اسے ایک بڑی میز کے قریب بیٹھے ہوئے ایک خوفناک سی شکل کے مینڈک نما جرمن کرنل کے سامنے پیش کیا گیا۔ ہیری نے وہاں بھی عربوں جیسے انداز میں سلام کیا اور جرم آفیسر مسکرا دیا۔

''خوب۔'' وہ انگریزی میں بولا۔ ''تم کون سے قبیلے کے عرب ہو؟''

''بن یوسف۔'' ہیری سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔

''یہاں کیسے؟''

''ہمیں رات کو کچھ وسپاہیوں نے گھیر کر ہمارے گھوڑے چھین لیے تھے اور شاید وہ آپ کے ہی سپاہی تھے۔'' ہیری نے بڑی ہمت سے لہجے بدل کر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں جواب دیا۔

اس نے بن غازی میں بعض عربوں کو اسی طرح انگریزی بولتے سنا تھا، جس سے

صرف مفہوم سمجھا جا سکتا تھا۔الفاظ غلط سلط اور بے ربط ہوتے تھے۔

''ہمارے آدمی عربوں کے ساتھ برا سلوک نہیں کر سکتے۔عرب ہمارے دوست ہیں۔تمہیں ان سوراتحادیوں نے لوٹا ہوگا جنہیں ہمارے ایک طیارے نے ریگستان میں ہی بھون کر رکھ دیا تھا۔''جرمن کرنل نے کہا۔

''تو پھر ہمارے گھوڑے ہمیں واپس مل سکتے ہیں؟''

''کیوں نہیں، کیوں نہیں۔''

''بہت بہت شکریہ۔''لیفٹنٹ ہیری نے آدھی عربی آدھی انگریزی میں کہا۔اس کے بعد جرمن کرنل نے اپنے ایک اسسٹنٹ کو بلا کر ہدایتیں دیں اور وہ ہیری کو ساتھ آنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گیا۔

ان کو ایک خیمے میں ٹھہرا دیا گیا۔لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ جرمن کتنے محتاط اور چالاک ہوتے ہیں۔تقریباً دو گھنٹے بعد ہی ہیری کو جرمن کرنل نے طلب کر لیا۔وہ جب اس کے سامنے پہنچا تو اسے وہاں ایک عرب بھی کرسی پر بیٹھا نظر آیا۔ہیری کا ماتھا ٹھنک گیا۔کرنل اسے طنز بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''ہیلو،عرب برادر، میں تمہارا نام پوچھنا تو بھول ہی گیا تھا۔''وہ اس سے انگریزی میں بولا۔

''میرا نام بن یوسف۔''ہیری نے جلدی سے کہا۔

''اور تمہارا قبیلہ بھی جوزف ہے۔''عرب نے ہنستے ہوئے اس کی طرف پلٹ کر کہا۔پھر اس نے عربی میں اس سے نہ جانے کا سوال کیا، جسے نہ ہیری سمجھ سکا، نہ جواب دینا اس کے بس کی بات تھی۔وہ سٹپٹا گیا۔

''ہمارے آدمیوں کو ریگستان میں صرف گیارہ گھوڑوں کی لاشیں ملی ہیں، آدمیوں کی نہیں۔اور اگر تم لوگ راستہ نہ بھٹک گئے ہوتے تو شاید ہم تمہیں تلاش ہی کرتے رہ جاتے۔''

کرنل کا لہجہ یہ کہتے کہتے خوفناک ہوگیا۔

''ٹھیک ہے۔میں ایک انگریز آفیسر ہوں۔میرا نام ہیری ہالورتھ ہے۔''ہیری نے اب جھوٹ بولنا فضول سمجھ کر سچ سچ بتادیا۔

''ہماری ایک مشین تباہ کر کے تم سمجھے ہوگے کہ تم نے میدان مارلیا ہے،بیوقوف۔'' جرمن کرنل نے اسے تقریباً ڈانٹتے ہوئے کہا۔

''میں یہ سب کچھ نہیں جانتا۔میں ایک فوجی ہوں اور میرے ذمے جو فرض سونپا گیا تھا، میں نے اسے ادا کردیا ہے۔اب مجھے اپنی موت کا بھی کوئی غم نہیں ہے۔''ہیری نے بہادرانہ انداز میں سینہ تان کر کسی قدر فخر سے کہا۔

''تمہاری یہ حسرت بھی آج ہی پوری کردی جائے گی۔'' یہ کہہ کر کرنل اپنے اسسٹنٹ سے مخاطب ہوا، جو اٹینشن کھڑا تھا۔اس نے جو کچھ کہا۔اس کا مفہوم بعد میں ہیری کو بھی انگریزی میں بتادیا۔

''میں نے اسے حکم دیا ہے کہ تم لوگوں کو دوپہر کا کھانا کھلا کر گولیوں سے اڑا دیا جائے۔کیوں،کیسی رہے گی؟ ہم جرمن اپنے دشمنوں کو بھوکا نہیں مارنا چاہتے۔''اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

اس احسان کی بھی کیا ضرورت تھی۔تم جرمن پہلے ہی دنیا کو آگ میں جھونک کر کونسا کم احسان کر رہے ہو، لیکن دوسروں کو غلام بنانے کے تمہارے یہ خواب کبھی پورے نہ ہوں گے۔''ہیری نے جوش میں آکر کہا۔

''تم یہ کہہ رہے ہو؟ ایک انگریز... بے شرم، کیا تم نے ہندوستان،افریقہ،عرب اور برما جیسے ملکوں کو غلام نہیں بنایا۔تم نے ان پر ظلم کرنے میں کوئی کسر چھوڑی ہے۔یہ تم ہی تو کہتے تھے کہ برطانیہ میں آفتاب کبھی غروب نہیں ہوتا اور آدھی دنیا تمہاری غلام تھی۔تم امریکی ہوتے تو شاید تمہاری بکواس تسلیم بھی کرلیتا۔''

جرمنی کرنل نے کسی سیاست دان کے انداز میں لیکچر جھاڑ دیا۔ ہیری سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ ایک طرح سے بات درست بھی تھی۔ اس کی اپنی قوم نے بھی دوسری قوموں کے ساتھ کچھ ایسا ہی سلوک کیا تھا۔

''میں سیاست دان نہیں ہوں، کرنل۔'' وہ سر جھکا کر بولا۔ ''لیکن میری قوم نے ایسا کیا بھی ہو تو وہ سبق سیکھ چکی ہے۔ ہم اب جنگ سے نفرت کرتے ہیں۔''

''تمہارے نفرت کرنے کے باوجود اس دنیا میں جنگیں ہوتی رہیں گی اور زندہ رہے تو تم خود جنگیں کرتے رہو گے۔ اس زمین پر انسان ہمیشہ انسان سے لڑتا آیا ہے۔ اثر کے لیے، اقتدار کے لیے فائدے کے لیے، طاقت کے لیے اور ہمیشہ بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو نگلتی رہی ہے۔ یہ انسان کی فطرت ہے، جسے کوئی نہیں بدل سکتا۔ چاہے دنیا میں سب پادری ہی کیوں نہ ہو جائیں۔'' جرمن کرنل نے میز پر گھونسا مارتے ہوئے پھر ایک تقریر کر ڈالی۔

''میں تم سے بحث نہیں کرونگا۔ تم جو حکم دینا چاہتے ہو، دے ڈالو۔'' ہیری نے تنگ آ کر کہا۔

''حکم دیا جا چکا ہے۔ اپنے خیمے میں جا کر موت کا انتظار کرو۔'' یہ کہہ کر جرمن کرنل نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا، جو اسے بازو سے تھام کر باہر نکال لے گیا۔

ٹھیک دو گھنٹے بعد انھیں پھر ان کے خیموں سے نکالا گیا۔ ان کے منہ لٹکے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ کمانڈر کے خیمے کے سامنے ہی انھیں میدان میں لے جا کر کھڑا کر دیا گیا۔ اور رائفلوں سے مسلح ایک جرمن دستہ ان کے سامنے پریڈ کرنے لگا۔

کچھ دیر بعد جرمن کرنل بھی اپنی ملٹری کار میں آ پہنچا۔ اس نے ایک نفرت بھری نظر اپنے قیدیوں پر ڈالی اور پھر کاروائی شروع کرنے کا حکم دے دیا۔ سب سے پہلے جرمنی سپاہیوں نے ایک ہندوستانی سپاہی کو پکڑ کر آگے گھسیٹا۔ وہ بے چارگی سے لیفٹننٹ ہیری کی طرف دیکھنے

Akram Allahabadi

لگا۔ہیری تڑپ اٹھا۔

''ٹھہرو۔'' وہ چیخا۔''میرے آدمیوں سے پہلے مجھے گولی مارو۔ میں یہ نہیں دیکھ سکتا۔''اس کے الفاظ سن کر جرمنی کرنل قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''اوہ،تو انگریز اب اتنے انسانیت نواز ہو گئے ہیں۔''وہ طنزیہ لہجے میں اسے دیکھ کر بولا۔

'' بکومت، پہلے مجھے گولی ماردو۔'' وہ پھر چیخا۔

مگر کرنل کا موڈ بگڑ گیا۔اس نے کہا۔''تمہارے سامنے پہلے تمہارے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جائے گا،تاکہ تمہیں مرنے سے پہلے اس تکلیف کا بھی احساس ہو جائے جو مرنے والوں کو ہوتی ہے۔''

''اوخدا، مجھ سے یہ نہیں دیکھا جا سکتا، مجھے اندھا کر دے۔''ہیری آسمان کی طرف دیکھ کر گڑگڑایا۔مگر اس ہندوستانی سپاہی کو اس کے سامنے ہی گولی کا نشانہ بنا دیا گیا۔قیدیوں کے دل لرز گئے۔

''میرے سپاہیوں کی نشانہ اندازی کے لیے تم لوگوں سے بہتر ٹارگٹ کہاں ملیں گے۔'' کرنل پھر قہقہہ مار کر بولا۔

''یاد رکھو،تم درندوں کا انجام بھی اس قدر خوفناک ہوگا کہ ساری دنیا کانپ اٹھے گی۔''ہیری چیخا،مگر اس کی آواز فائرنگ کے شور میں دب گئی۔یہ دوسرا ہندوستانی سپاہی تھا۔

اور پھر ان کے دیکھتے دیکھتے پانچ آدمی جرمنوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔اب ساتواں سپاہی سامنے کھڑا کیا گیا۔کرنل ابھی اپنا رومال ہلا ہی رہا تھا کہ ہیری محافظوں کو غافل پا کر اپنے ہاتھ جھٹکے سے چھڑا کر اس پر اچانک ٹوٹ پڑا۔اس نے اتنی پھرتی سے اس کا ریوالور نکال لیا کہ کسی کی سمجھ میں بھی نہ آ سکا۔اس نے ریوالور کرنل کے سر سے لگا دیا۔وہ بولا۔

''ان کی رہائی کا حکم دو، ورنہ گولی تمہارے بھیجے کے چیتھڑے اڑا دے گی۔'' کرنل

موت کو اپنے سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر دیکھ کر گھبرا گیا۔اس نے اپنے سپاہیوں کو پیچھے ہٹنے کا حکم دے دیا۔

''چلو میرے ساتھ۔'' وہ کرنل کو پستول کی زد پر دھکیلتے ہوئے بولا۔اور کرنل کو اس کے حکم کی تعمیل کرنی پڑی۔

ہیری نے اپنے آدمیوں کو کرنل کی اسٹاف کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا اور وہ فوراً اس میں سوار ہو گئے۔

''کرنل، یہ کار تم خود ہی ڈرائیو نگ کرو گے۔'' وہ کرنل کو ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ریوالور اس نے کرنل کی کنپٹی سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر رکھا تھا۔

جرمن فوجی بے چارگی کے عالم میں یہ سب کچھ ہوتا دیکھ رہے تھے،مگر مجبور تھے۔وہ ذرا بھی جنبش کرتے تو ان کے کرنل کا خاتمہ ہو جاتا۔کرنل اسٹاف کار ڈرائیو کرنے لگا۔پانسہ پلٹ چکا تھا اور ذرا سی دیر میں مجبور و بے بس قیدیوں بنے خود اسے بے بس و مجبور کر دیا تھا۔وہ کار ڈرائیو کرنے لگا۔

گیٹ پر اسے خود محافظوں کو گیٹ کھولنے کا حکم دینا پڑا۔

وہ جرمن کیمپ سے جس قدر دور ہوتے گئے،ہندوستانی سپاہیوں کے چہروں پر سرخی دوڑتی گئی۔وہ لیفٹننٹ ہیری کو تشکر آمیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ایسے آفیسر انھیں بہت کم دیکھنے کو ملے تھے۔کرنل کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں اور ہیری پوری طرح چوکنا تھا۔کرنل ذرا حرکت کرتا اور وہ ریوالور کی نال اس کی کنپٹی سے لگا دیتا۔وہ کئی میل دور نکل آئے۔

لیکن اسی وقت ایک عجیب اور انہونی سی بات ہو گئی۔انھیں ایک طیارے کی پرواز کی آواز نے چونکا دیا ہی تھا کہ سر باہر نکالتے ہی وہ غوطہ لیتا نظر آیا۔یہ اتحادی بمبار طیارہ تھا۔ہندوستانی سپاہی ہاتھ نکال کر چلانے لگے،مگر یہ بھول گئے تھے کہ وہ اپنے فوجی لباس میں نہیں

ہیں۔عربوں کے لباس پہنے ہوئے ہیں، یا ممکن ہے طیارے کے ہوابازنے یہ دیکھا بھی نہ ہو۔طیارہ غوطہ لیتا ہوا نیچے آیا اور دوسرے لمحے اس میں سے یکے بعد دیگرے دو بم خارج ہوئے اور سیدھے اس جرمنی کار کے بالکل نزدیک پھٹے۔ان کے زبردست دھماکوں کے ساتھ کار کے پرخچے اڑ گئے۔

وہ جو مصیبتیں اٹھا کر اتنی جوانمردی سے دشمنوں کے ہاتھوں سے بچ کر نکلے تھے، منزل کے قریب پہنچتے پہنچتے اپنوں کے ہی ہاتھوں محض اتنی سی بات پر موت کے شکار ہو گئے کہ وہ ایک جرمن اسٹاف کار میں سوار تھے، جس پر سواستک کا بڑا نشان بنا ہوا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

آخری سگنل

جھٹپٹا ہو رہا تھا جب لیفٹننٹ ہیری کی آنکھ اسی نامعلوم آواز کے ساتھ کھلی، وہی کراہنے کی آواز۔لیکن وہ یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ ایک جرمن سپاہی اپنی بندوق کی کرچ سے اس کے سینے کا نشانہ لے رہا ہے۔اور وہ سپاہی خود بھی کسی کے کراہنے کی آواز پر چونک کر پیچھے دیکھنے لگا تھا۔ہیری یہ دیکھتے ہی ایک دم اس پر جھپٹ پڑا اور اسے نیچے گرا کر اس کے سینے پر سوار ہو گیا۔اس نے اپنی پیٹی سے خنجر نکال کر اسے ختم کر دیا، مگر اسے خود چکر آنے لگے۔شاید اسے یہ علم نہ تھا کہ وہ خود بھی زخمی ہے۔اس کے دماغ میں وہ دھماکے گونج اٹھے اور اسے دور اس جرمن اسٹاف کار کے ٹکڑے اور اپنے ساتھیوں کی لاشیں پڑی نظر آئیں۔وہ لڑکھڑاتا ہوا ان کی طرف بڑھا۔کیا وہ تمام دن اس میدان میں پڑے رہے تھے۔

اسے ان میں کرنل کی لاش کہیں نظر نہیں آئی، جس کا مطلب یہ تھا کہ جرمن سپاہی یہاں تک پہنچ کر اپنے کرنل کی لاش اٹھا لے گئے ہیں اور ہندوستانی سپاہیوں کے ساتھ ہیری کو بھی مردہ سمجھ کر چھوڑ کر گئے ہیں۔وہ شاید ایک محافظ بھی چھوڑ گئے تھے، جو اس وقت ہیری کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ممکن ہے وہ کسی کے کراہنے کی آواز سن کر، یا ہیری کو کسمساتے دیکھ کر اس کی طرف دوڑا ہو۔

وہ یہ سوچ کر حیران رہ گیا کہ اسی وقت اسی نامعلوم کراہٹ نے اس کی جان بچائی تھی۔وہی پراسرار آواز سن کر اسے ہوش میں لائی تھی۔اسے پھر دماغ ماؤف ہوتا محسوس ہوا، شاید کمزوری کے سبب، لیکن اس نے اپنی جیبیں ٹٹول کر دیکھا، اس کے پاس فلیش لائٹ سگنل دینے والی اسپارک میسجر پستول اب بھی سینے کے پاس محفوظ تھی۔اس نے دوبارہ بے ہوتے ہوئے اسے داغ دیا۔آسمان میں ایک شعلہ چمکا اور بجلی جیسی تیز روشنی دور تک پھیل گئی، لیکن

Akram Allahabadi

لیفٹننٹ ہیری دوبارہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

تکیہ ہلنے لگا

شہرِ خموشاں کے اس بھیانک سناٹے میں اس قبر سے کراہنے کی آواز برابر آ رہی تھی۔اور پیر خاں کی آنکھیں حیرت و خوف سے پھیل گئیں، جب اس نے اس قبر کے تکیے کو لرزتے دیکھا۔وہ بوڑھا ہونے کا آیا تھا، مگر کوئی ایسا واقعہ نہ اس نے دیکھا تھا اور نہ سنا تھا۔وہ بڑے مضبوط دل کا آدمی تھا، لیکن مردوں کی اس بستی میں جہاں وہ اپنے کئی سال گزار چکا تھا، اس کراہتی قبر کے اس عجیب واقعے نے اسے بھی خوفزدہ کر دیا تھا۔اپنے عقیدے کے مطابق وہ دعائیں پڑھ پڑھ کر سینے پر دم کرتا ہوا اس کے پاس سے دور ہٹ آیا اور اپنی لالٹین سنبھال کر تیزی سے گرجا کی طرف دوڑا۔فادر جیکسن ابھی سوئے نہ تھے، وہ کسی کتاب کا مطالعہ کر رہے تھے۔دروازے پر دستک کی آواز سن کر اٹھ آئے۔

''کیا ہے؟''انھوں نے دروازہ کھول کر پیر خاں سے پوچھا۔

''صاحب، آج تو اس قبر کا تکیہ بھی ہل رہا ہے۔''اس نے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ بتایا۔

''خدا جانے کیا راز ہے اس قبر کا؟ میری بھی سمجھ میں نہیں آتا۔چلو، دیکھوں۔'' وہ سلیپر پیروں میں ڈال کر باہر نکل آئے۔انھوں نے اپنی ٹارچ لے لی تھی۔

جب وہ واپس قبرستان میں پہنچے، تو گہرا سناٹا ہر طرف مسلط تھا، صرف ہوا کے زور سے درختوں کے پتے کھڑکھڑا رہے تھے اور زیرِ زمین سکون کی ابدی نیند سوئے ہوئے ان گنت انسانوں کو اس کی بھی خبر نہ تھی۔پیر خاں لالٹین دکھاتا رہا اور فادر جیکسن زیرِ لب بائبل کے کلمات پڑھتے ہوئے اس کے ساتھ چلتے رہے۔وہ خود بھی یہ ظاہر کرنا نہ چاہتے تھے کہ اس واقعے سے تھوڑے بہت خوفزدہ وہ بھی ہیں، لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ اس سے متاثر تھے۔اور نہ جانے کیوں

انھیں اس وقت قبرستان میں جاتے ہوئے دہشت محسوس ہورہی تھی ۔وہ جب اس قبر کے پاس پہنچے تو انھیں حسب معمول سناٹا چھایا معلوم ہوا۔لیکن ابھی چند سیکنڈ بھی نہ گزرے تھے کہ کراہنے کی اسی پر ہول آواز نے ان کے کان کھڑے کردیے۔

''میں سمجھتا ہوں کہ مرنے والے کی روح بے چین ہے ۔اب ہم اس کے لیے سوائے خدا سے دعا کرنے کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔''فادر جیکسن نے پیر خاں سے کہا۔

''صاحب، کیوں نہ اس قبر کو کھود کر دیکھا جائے ۔اللہ جانے کیا بات ہے۔''پیر خاں نے رائے دی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا ۔دیکھو، میں کل شہر جا کر لوگوں سے مشورہ لونگا۔'' فادر جیکسن نے اس سے دور ہی رہتے ہوئے کہا۔

لیکن ان کے دیکھتے ہی دیکھتے اس قبر کا تکیہ لرزنے لگا۔اور فادر جیکسن نے گھبرا کر آنکھیں بند کرلیں۔

''چلے آؤ، پیر خاں،اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔''انھوں نے پیچھے کھسکتے ہوئے کہا۔

''خدا اس کے گناہوں کو معاف کرے، یہ روح سخت عذاب میں مبتلا معلوم ہوتی ہے۔''

پیر خاں بھی اس احساس کے ساتھ کہ قبر میں اس روح پر ضرور کوئی شدید قسم کا عذاب نازل ہورہا ہے،خوف کھا کر پیچھے ہٹ گیا۔پھر وہ جب تک فادر جیکسن کے پیچھے چلتا رہا،اس نے پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

☆☆☆☆☆☆

دوسرے دن جب وہ اپنی ضرورت کی چیزیں خریدنے کے لیے قصبے میں گیا تو اس

سے ضبط نہ ہو سکا۔اور جب اس نے کسی داستان گو کے انداز میں اس حیرتناک واقعے کو لوگوں سے بیان کیا تو وہ سن کر کانپ اٹھے۔ذرا سی دیر میں ہوا کی طرح یہ خبر ساری آبادی میں پھیل گئی اور بہت سے من چلے تو فادر جیکسن کی اجازت کے بغیر ہی قبرستان میں داخل ہو گئے،لیکن وہاں انھیں ایسی کوئی بات نظر نہ آئی جو پیر خاں کے قول کی تصدیق کرتی۔کیونکہ کراہنے کی آواز اس قبر سے صرف رات کے سناٹے میں ہی سنائی دیتی تھی۔بعد میں فادر جیکسن کو پولیس بلوانی پڑی تا کہ لوگوں کو قبرستان میں جانے سے روکا جا سکے۔لوگوں کو تو روک دیا گیا،لیکن ان کی زبانوں کو نہ روکا جا سکا اور پھیلتے پھیلتے یہ خبر شہر پہنچی اور پھر اخباروں تک پہنچ گئی۔اور پھر رفتہ رفتہ وہ ان واہموں میں شامل کر لی گئی جو شہروں میں مزاروں،مُردوں،شہیدوں اور روحوں وغیرہ کے بارے میں سنے جاتے رہتے ہیں۔یقین تو بہت کم لوگ ہی کرتے تھے،مگر ان تذکروں کو دہراتے ضرور رہتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

لیفٹننٹ ہیری کی جب آنکھ کھلی تو کیپٹن ہیوڈ اس کے سرہانے موجود تھا۔اسے سر میں پٹیاں بندھی محسوس ہوئیں۔اور جب اس نے اٹھنے کی کوشش کی تو نقاہت بھی کافی معلوم ہوئی۔

''لیٹے رہو،میرے ہیرو۔'' کپتان ہیوڈ نے اسے شاباش دیتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر کہا۔''تمھیں آرام کی سخت ضرورت ہے۔''

''لیکن میں یہاں کیسے پہنچا؟''

''تمہارا سگنل مل گیا تھا۔ہمارا ایک طیارہ تم لوگوں کو رات ڈھلے سے اس ریگستان میں تلاش کرتا رہا اور بدقسمتی سے اس نے اس جرمن اسٹاف کار پر بم برسائے تھے جس کے ساتھ ہمارے سپاہیوں کی لاشیں ملی ہیں۔تمہارا سگنل نہ ملتا تو شاید ہمیں اس کی خبر بھی نہ ہوتی۔''

کپتان نے بتایا۔

''اور..اور لیفٹننٹ سنگھ؟ ہم نے اسے زخمی حالت میں اسی جگہ چھوڑ دیا تھا۔''

''لیفٹننٹ سنگھ کل رات کے آخری حصے میں ہی بچا لیا گیا تھا۔ وہ بہت بری طرح زخمی ہوگیا ہے۔شاید تمہاری طرح اس نے بھی ہوش میں آنے کے بعد سگنل دیا تھا۔'' کپتان بولا۔

''ہاں، گولی اتفاق سے ہنسلی پر لگی ہے، ورنہ وہ تو وہیں ختم ہوگیا ہوتا۔پھر بھی ابھی کافی وقت لگے گا اس کے صحت یاب ہونے میں۔''

''کیپٹن، کراہنے کی وہ آواز مجھے وہاں بھی سنائی دی تھی...'' لیفٹننٹ ہیری نے کہنا چاہا۔

''بس بس، ابھی آرام کرو، ڈاکٹر نے باتیں کم کرنے کو کہا ہے۔'' کپتان ہیوڈ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''مگر میرا دل پریشان ہے، کیپٹن۔ نہ جانے کیوں مجھے بار بار جوڈی یاد آرہی ہے۔''

''زیادہ سوچنے والے وہم کا شکار ہوجایا کرتے ہیں۔مجھے بھی اپنے بیوی بچوں کے بارے میں کبھی ایسے وسوسے آتے ہیں، لیکن ان کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔''

''تو پھر مجھے یہ کراہنے کی آواز کیوں سنائی دیتی ہے؟ وہ کس کی آواز ہے؟ کون کراہتا ہے؟ کوئی نظر نہیں آتا؟'' ہیری نے خود اسی سے کئی سوالات کر ڈالے۔

''تم خدا کے لیے اس وقت زیادہ باتیں مت کرو۔ یہ گفتگو ہم کسی اور موقع پر بھی کرسکتے ہیں۔'' ہیوڈ نے اسے بولنے نہ دیا اور وہ مجبوراً چپ ہورہا، لیکن اس کا دماغ تو اب بھی سوچ رہا تھا۔کپتان کے چلے جانے کے بعد وہ آنکھیں بند کرکے لیٹ گیا اور اسی عالم میں اسے نیند آگئی۔

سہ پہر کو اس کی آنکھیں اس وقت کھلیں جب اسے اپنے سر کے بالوں میں کسی کی

انگلیاں کھیلتی محسوس ہوئیں۔اس نے سر ذرا سا ترچھا کر کے دیکھا، وہ سلوانیا تھی، جو محبت بھری نظروں سے اس کے چہرے کو تک رہی تھی۔

سلوانیا کی آمد یہاں قطعی غیر متوقع تھی۔وہ پہلے کبھی کسی کی عیادت کے لیے اسپتال نہیں آئی تھی۔محبت بھری نظروں سے اس کے چہرے کو تک رہی تھی اور جب سے وہ یہاں آ کر اس کے سرہانے بیٹھی تھی، اسٹاف کے کئی آدمی ہیری کی خبر گیری کے بہانے اس وارڈ میں آ آ کر اسے دیکھ چکے تھے۔ایک نے تو اسے خوش کرنے کے لیے ہیری کو جگا دینے کی پیش کش کی تھی، لیکن خود اسی نے منع کر دیا تھا۔

ہیری کو اسے اپنے سرہانے دیکھ کر حیرت ضرور ہوئی، لیکن وہ مسکرا دیا۔

''کیسی طبیعت ہے آپ کی؟'' اس نے ہیری کی طرف اور جھکتے ہوئے صاف انگریزی زبان میں پوچھا۔

''زندہ ہوں، اتنا معلوم ہے۔'' ہیری نے کہا۔

''وہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ڈاکٹر کہہ رہا تھا ابھی کافی آرام کی ضرورت ہے۔''

''سنا ہے ہر تکلیف کے بعد کافی آرام نصیب ہوا کرتا ہے۔''

''تم فوجی لوگ بعض اوقات اپنی موت کو خود ہی دعوت دے لیا کرتے ہو۔''

''اور جو بن بلائے چلی آئے تو؟'' ہیری کا اشارہ خود اس کی طرف تھا، محض مذاقاً۔

''تو کیا میں اتنی ہولناک ہوں؟'' وہ مسکرا کر پوچھنے لگی۔

''فرض کی راہ میں شہید ہونے والوں کے سامنے موت بڑے خوبصورت روپ میں آتی ہے۔''

''اچھا اب باتیں نہ بناؤ۔تمہیں کم سے کم بولنے کے لیے کہا گیا ہے۔''

''سلوانیا، میں تو ذہنی طور پر بہت پریشان ہوں۔'' ہیری سنجیدہ ہو گیا۔

''کیوں؟ ایسی کیا بات ہے؟''

Akram Allahabadi

''میری خود سمجھ میں نہیں آتا۔کئی دنوں سے ایک عجیب سا واقعہ میرے ساتھ بار بار گزر رہا ہے۔جب میں تنہا ہوتا ہوں کسی کی دردناک کراہیں سنائی دیتی ہیں،لیکن نظر کوئی نہیں آتا۔آواز ایسی ہوتی ہے جیسے میری بیوی درد سے کراہ رہی ہو۔''

''تو کیا تم شادی شدہ ہو؟''

''ہاں،میں نے ایک ہندوستانی لڑکی سے شادی کی تھی اور اسے وہیں چھوڑ کر چلا آیا ہوں۔''

''تم نے اچھا نہیں کیا،لیفٹننٹ۔ہندوستانی لڑکیاں محبت میں بڑی وفادار ہوا کرتی ہیں۔وہ تمہارے لیے تڑپ تڑپ کر جان دے دے گی۔''

''میں خود اس سے دور رہنا نہیں چاہتا،لیکن بے بس ہوں۔''

''کیا وہ بیمار ہے؟خطوط تو آتے ہوں گے اس کے؟''

''یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔خطوط میں تو یہی لکھا ہوتا ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہے اور میری واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔''

''تو پھر ممکن ہے تم کسی وہم کے شکار ہو گئے ہو۔''

''وہم؟کس بات کا؟۔میں اپنے فرض اور اپنی بیوی سے کچھ زیادہ سوچتا ہی نہیں۔''

''کچھ بھی نہیں؟''

''نہیں تو؟''

''کبھی میرے بارے میں بھی نہیں سوچتے؟'' یہ سوال کرتے ہوئے وہ اداس ہو گئی۔

''تمہارے بارے میں بھی سوچتا ہوں کچھ کچھ۔''ہیری نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور سلوانیا کھوئی نظروں سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''کیا سوچتے ہو؟''اس نے پوچھا۔

Akram Allahabadi

''یہی کہ تم مجھ پر اتنی مہربان کیوں ہو؟''

''یہ ...؟ یہ میری ڈیوٹی ہے۔'' سلوانیا کا لہجہ خشک ہوگیا۔''میں فوجیوں کا دل بہلانے کے لیے نوکر رکھی گئی ہوں۔ایک خوبصورت کھلونا، جو کسی شوروم میں سجادیا گیا ہوں۔ اور جسے ہر کوئی چھوکر دیکھ سکتا ہے۔'' یہ کہتے کہتے اس کے لہجے میں تلخی نمایاں ہوگئی، جیسے ان الفاظ کی آڑ میں اس کا ضمیر چیخ رہا ہو۔

''معاف کرنا، سلوانیا۔میں تمہارا دل دکھانا نہیں چاہا تھا۔''

''اوہ، کوئی بات نہیں۔کبھی کبھی جب میں اپنی اوقات کو محسوس کرتی ہوں، تو بہک جاتی ہوں۔''

''تمہارا دل بھی کافی دکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔'' ہیری نے کہا۔

''محبت کے معاملے میں میں ہمیشہ بدقسمت رہی ہوں۔میں نے جسے چاہا ہے وہ اتفاق سے کسی دوسرے کی ہی امانت نکلا ہے۔'' سلوانیا نے مایوس اور تلخ لہجے میں کہا۔

سلوانیا کچھ اور کہنے جارہی تھی کہ ڈاکٹر آپہنچا۔وہ کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا، ہیری، اچھے ہوجانے کے بعد یہاں سے جاتے ہوئے ہو سکے تو مجھ سے بھی ملتے جانا۔'' اس نے جھک کر ہیری کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے کہا اور اپنا پرس سنبھالتی باہر نکل گئی۔

''یور سویٹ؟''؟ ڈاکٹر نے قریب آکر مذاق کرتے ہوئے ہیری سے ہنس کر پوچھا۔

''آف کورس۔شی از سویٹ۔'' ہیری نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''بٹ ناٹ اے سویٹ ہارٹ۔''

''خیر خیر، طبیعت اب کیسی ہے؟''

''پہلے سے بہتر محسوس کر رہا ہوں۔''

''سنا ہے تم نے جرمنوں کی راکٹ بموں والی مشین تباہ کر ڈالی؟'' ڈاکٹر اسے مستحسن نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''خدا کا شکر ہے کہ ہم اس میں کامیاب ہو گئے، ورنہ آج بن غازی لاشوں اور کھنڈروں کا شہر نظر آتا۔'' ہیری نے بتایا۔

''لیکن اگر وہ لوگ دوسری لے آئے؟'' وہ خود ہی سوچتے ہوئے بولا۔

''اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اتحادی فوجوں نے آج اس جرمن بیس پر حملہ کر دیا ہے۔'' ڈاکٹر نے بتایا۔ اور ہیری چونک پڑا۔

''لیکن کیپٹن ہیوڈ نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا۔''

''مجھے یہ انھوں نے ہی بتایا تھا۔ وہ اس وقت فوجوں کی روانگی سے ذرا پہلے تمہیں دیکھنے آئے تھے۔ شاید انھوں نے مصلحتاً تم سے اس کا تذکرہ نہ کیا ہوگا۔'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''وہ بھی کہہ کر گئے ہیں کہ تمہارا پورا پورا خیال رکھا جائے۔''

''ڈاکٹر، وہ بہت عمدہ آفیسر ہے۔'' یہ کہتے کہتے ہیری کا لہجہ گلوگیر ہو گیا۔

''فکر نہ کرو، اتحادیوں کا یہ حملہ شاندار طریقے پر کامیاب ہوگا، کیونکہ اتنی جلدی جرمن محاذ کو کوئی کمک نہیں پہنچ سکتی۔ شمالی افریقہ میں وہ بری طرح پھنسے ہوئے ہیں۔'' ڈاکٹر نے اسے بتایا۔

''خدا کرے ایسا ہی ہو۔'' وہ لمبی سرد سانس کھینچ کر بولا۔ ''لیکن لفٹننٹ سنگھ کا کیا حال ہے؟''

''یعنی وہ ہندوستانی سکھ آفیسر؟''

''یس، ڈاکٹر۔''

''وہ جلدی ٹھیک ہو جائے گا۔ حالت خطرے سے باہر ہے۔'' ڈاکٹر یہ کہہ کر چلا

Akram Allahabadi

گیا۔اور ہیری خاموشی سے وارڈ کی چھت تکنے لگا۔

☆☆☆☆☆☆

''نرس...نرس...''

ورانڈے میں میٹرن چیخ رہی تھی۔دو نرسیں فوراً دوڑی ہوئی آ پہنچیں۔

''وارڈ نمبر ۳ میں دیکھو کون چیخ رہا ہے؟''اس نے اپنی میز سے اٹھے بغیر کہا۔اور وہ دونوں سر ہلا کر وارڈ نمبر ۳ کی طرف تیز قدم اٹھاتی ہوئی روانہ ہو گئیں،لیکن انھیں سیڑھیوں پر ہی کچھ آدمی کھڑے نظر آ گئے۔ان میں کچھ مریض تھے اور کچھ اسٹاف کے لوگ۔وہ ایک مریض کو گھیرے ہوئے تھے جو ایک سیڑھی پر سر ڈھلکائے لڑھکا پڑا ہوا تھا۔اس کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔

''ہٹو ہٹو،جگہ دو۔''نرسیں پیچھے سے ان آدمیوں کو ہٹانے لگیں۔پھر ان میں سے ایک نے مریض کے پاس پہنچ کر اسے سیدھا کیا تو دونوں چونک پڑیں۔

''لیفٹننٹ ہیری۔''ان کے منہ سے نکلا۔

''ہیری؟ محاذ کا ہیرو؟''کسی نے حیرت زدہ لہجے میں دہرایا۔

''بوائے،جلدی سے اسٹریچر لاؤ۔''ایک نرس نے چیخ کر کہا۔پھر وہ جھک کر اس کے سر کا زخم ٹٹولنے لگی۔یہ زخم سیڑھیوں سے لڑھکتے ہوئے سائڈ کی آہنی جالی سے ٹکرانے سے آیا تھا اور کافی گہرا تھا۔اسٹریچر فوراً لے آیا گیا اور اس کے ساتھ ہی میٹرن بھی آ پہنچی۔لیفٹننٹ ہیری کو اسی وقت اسٹریچر پر اس بیڈ پر ۳ نمبر وارڈ میں لے جایا گیا۔میٹرن نے ڈاکٹر کو بھی اطلاع دے دی تھی اور وہ بھی اسی وقت آ پہنچا۔زخم کی صفائی اور ڈریسنگ کے بعد اس کی نبض دیکھ کر ڈاکٹر نے اطمینان کا سانس لیا۔

''نبض تو ٹھیک چل رہی ہے،لیکن زخم ایسا ہے کہ دماغ کو شدید قسم کا دھکا لگا ہے۔

''یہ بھیجے کے بل ٹکرایا ہے۔'' وہ کہنے لگا۔

''یہ ہوا کیسے؟'' میٹرن نے موجود آدمیوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ ان میں وارڈ نمبر ۳ کے دوسرے مریض بھی تھے۔

''میں جاگ رہا تھا، جس وقت یہ واقعہ ہوا ہے۔'' ایک مریض بتانے لگا۔ وہ بھی کوئی یورپین تھا۔

''کیا واقعہ؟'' ڈاکٹر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''یہ سوتے سوتے ایک دم چیخنے لگا۔ اسے بچاؤ، وہ بدمعاش اسے گھسیٹ کر لے جا رہا ہے۔ اسے کچھ ہوا تو میں سب کا خون پی ڈالوں گا۔'' اس نے بتایا۔

''خواب دیکھا ہوگا شاید۔'' ڈاکٹر بڑبڑایا۔

''پھر یہ اچانک بستر پر اٹھ بیٹھے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگے۔ دوسرے مریض بھی ان کی آواز سے اٹھ بیٹھے تھے۔ ہم نے ان سے پوچھا، کیا بات ہے؟ تو ہم سے ہی پوچھنے لگے کہ' کیا تم نے اس کے کراہنے کی آواز نہیں سنی؟ اور ڈاکٹر صاحب سچی بات یہ ہے کہ میں نے بھی کسی کے کراہنے کی آواز سنی تھی، مگر مریض تو کراہتے ہی ہیں۔ میں نے سمجھایا کہ سو جاؤ، یہ اسپتال ہے۔ تو ضد کرنے لگے کہ، نہیں، میرا دل گھبرا رہا ہے، میں یہاں نہیں رہوں گا۔ میں اس کے پاس جاؤں گا۔ اور اس سے پہلے کہ ہم انھیں پکڑنے کی کوشش کریں، یہ وحشیوں کی طرح دوڑ کر باہر چلے گئے۔ اور جب ہم نے پکڑنے کے لیے پیچھا کیا تو سیڑھیوں پر بھاگ کر اترتے ہوئے لڑھک گئے۔'' اس نے کہا۔'' اسٹاف کو بلانے کے لیے شور میں نے ہی مچایا تھا۔''

''خیر، اب آپ لوگ اپنے اپنے بیڈ پر جایئے۔ اور نرس، میں انجیکشن دیے دے رہا ہوں، اگر اسے چار گھنٹے سے پہلے ہوش نہ آئے تو مجھے خبر کرنا۔'' ڈاکٹر نے دوسروں کو منتشر ہونے کی ہدایت کرتے ہوئے نرس سے کہا۔ اور پھر وہ بے ہوش ہیری کو انجیکشن دے کر خود بھی

چلا گیا۔

لوگ اپنے اپنے بیڈ سے اس نوجوان انگریز کو حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ نہ جانے کیا ہو گیا اسے، شام تک تو وہ بالکل ٹھیک تھا۔

''اور پھر ان میں سے بعض کو اس خیال سے جھرجھری سی آ گئی کہ اسپتال میں کسی کو کچھ ہوتے دیر نہیں لگتی۔ بہت سی باتیں اچانک ہو جاتی ہیں اور بہت سی رفتہ رفتہ، چاہے موافق یا ناموافق۔

☆☆☆☆☆☆

لیفٹننٹ ہیری کو تین گھنٹے کے بعد ہی ہوش آ گیا، لیکن جب اس نے آنکھیں کھولیں تو حیران حیران سا چاروں طرف دیکھنے لگا۔ نرس اس کے قریب آ گئی تھی۔

''میں کہاں ہوں؟'' اس نے نحیف سی آواز میں پوچھا۔

''آپ اسپتال میں ہیں۔'' ان میں سے ایک نرم و شیریں لہجے میں بولی۔

''اسپتال میں؟'' ہیری نے حیرت سے دہرایا۔ ''کیوں؟ کیا ہوا مجھے؟ کون لایا ہے مجھے؟'' وہ ان سے سوالات کرنے لگا اور وہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگیں۔

''آپ لیفٹننٹ ہیری ہیں نا؟'' ان میں سے ایک نے اس سے سوال کیا۔

''ہیری؟ لیفٹننٹ؟ کیسا لیفٹننٹ؟ کون ہیری؟''

اور اسے جواب دینے کی بجائے دوسری نرس پہلی کے کان میں کچھ کہہ کر تیزی سے کمرے سے نکل گئی۔ تقریباً دو منٹ بعد ہی وہ میٹرن کو ساتھ لیے آ پہنچی۔

''لیفٹننٹ ہیری۔'' میٹرن نے اسے مخاطب کیا۔ اور وہ اس طرح اپنے دائیں بائیں دیکھنے لگا، جیسے کسی اور کو مخاطب کیا گیا ہو۔

''میں آپ ہی سے مخاطب ہوں۔'' میٹرن بولی۔

''مجھ سے...؟ مگر یہ ہیری...؟ لیفٹننٹ...؟ کیا آپ لوگ مجھے پاگل سمجھ رہے

Akram Allahabadi

ہیں؟'' اس نے باری باری ان کی صورتیں دیکھ کر کہا۔

''تو پھر کیا نام ہے آپ کا؟'' ایک نرس نے آگے بڑھ کر پوچھا۔

''میرا نام... میرا نام...'' وہ ذہن پر زور دینے لگا۔ ''میرا نام شاید جودی ہے۔''

وہ کھوئی کھوئی نظروں سے ان کی شکلیں دیکھ کر بولا۔ اور ایک نرس تو اس کے جواب پر منہ چھپا کر ہنس پڑی، لیکن میٹرن کی سنجیدگی اور گہری ہوگئی۔

''شاید انھوں نے اپنی یادداشت کھودی ہے۔'' وہ ایک سرد سانس کھینچ کر بولی۔

''تو بہت برا ہوا۔'' ایک مریض نے افسوسناک لہجے میں کہا۔

''نرس، ایک نرسنگ اردلی کی ڈیوٹی یہاں لگا دو، تاکہ ان کا دھیان رکھے۔''

''ڈاکٹر کو اطلاع دیتی ہوں۔'' میٹرن ایک نرس اور ہیری پر ایک نظر ڈالتی ہوئی چلی گئی۔ اس کی ہدایت پر ہیری کو مارفیا کا ایک انجیکشن دے دیا گیا، جس سے وہ کچھ دیر بڑبڑا کر سوگیا۔ دوسرے مریض اس کے متعلق چہ مگوئیاں کرتے رہے۔

دوسرے دن صبح ڈاکٹر نے اس کا اچھی طرح معائنہ کرنے کے بعد اسے کسی دماغی امراض کے اسپتال میں منتقل کرنے کی سفارش لکھ بھیجی۔ یہ دن اتحادی افواج کے لیے یومِ فتح تھا، کیونکہ اتحادی فوجوں نے اچانک جرمن کیمپ پر چھاپا مار کر اسے اور دارالاڈریس کے ہوائی اڈے کو تباہ کر دیا تھا اور تقریباً ۱۳ سو جرمن آفیسر اور فوجی گرفتار کیے گئے تھے۔

لیفٹننٹ ہیری کے متعلق میڈیکل رپورٹ بریگیڈیئر رشل کے پاس اس وقت پہنچی جب وہ ہیری کے دلیرانہ کارنامے کے عوض اس کی سفارش کر کے ہائی کمان سے اس کی ترقی کے فوری احکامات لے چکا تھا اور آج ہی ہیری کو لیفٹننٹ سے کیپٹن کے عہدے پر ترقی دے دی جاتی۔ بریگیڈیئر رشل میڈیکل رپورٹ دیکھتا ہی رہ گیا۔

''کیا واقعی وہ سب کچھ بھول چکا ہے؟'' اس نے میجر ہیوڈ سے پوچھا۔ ہیوڈ کے لیے بھی کپتان سے میجر بننے کے احکامات آج ہی آئے تھے۔ وہ کارنامہ اسی کی یونٹ نے انجام

دیا تھا۔

''میڈیکل رپورٹ تو یہی کہتی ہے۔لیکن یہ بڑی افسوسناک بات ہے، جناب، لیفٹننٹ ہیری ہمارے بہترین آفیسروں میں سے ایک تھا۔'' کیپٹن ہیوڈ نے افسوس زدہ لہجے میں کہا۔

''مجھے خود ایک ایسے آفیسر کے کھونے پر سخت قلق ہے، لیکن ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔'' بریگیڈیئر نے اعتراف کیا۔

''میں تو سفارش کروں گا کہ ہیری کو ہندوستان واپس بھیج دیا جائے۔''

''کیوں...؟ ہندوستان کیوں؟ اسے وطن ہی بھیجا جا سکتا ہے۔ ہندوستان سے اسے کیا نسبت؟'' بریگیڈیئر رسل کے اس جواب پر میجر ہیوڈ سٹپٹا گیا۔ ہیری کا راز اگر وہ منکشف کرتا تو ایک طرح سے خود بھی قصوروار قرار دیا جاتا۔اس سے کوئی اور جواب نہ بن پڑا۔

''میرا مطلب ہے کہ شاید وہاں کی آب وہوا اسے راس آجائے۔'' وہ بوکھلا کر بولا۔

''میجر، وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے، کوئی دق کا مریض نہیں ہے۔اور پھر یادداشت کی واپسی کا امکان اس کے اپنے ماحول میں پہنچ کر ہی ہو سکتا ہے۔'' بریگیڈیئر نے بڑے بزرگانہ لہجے میں کہا۔

لیکن ہیوڈ اسے کیسے بتاتا کہ ہیری کا اپنا ماحول تو ہندوستان میں ہی ہے، انگلستان میں نہیں۔اس نے خاموش رہ جانے میں ہی بہتری سمجھی، مبادا کوئی اور الٹی بات منہ سے نکل جائے۔

''بریگیڈیئر نے بہرحال میڈیکل رپورٹ پر سفارشی دستخط کر کے یہ لکھ کے اسے ہائی کمان کو فارورڈ کر دیا کہ بہتر ہوگا کہ کپتان ہیری کو اس کے وطن لوٹا دیا جائے تا کہ وہاں اس کی معقول نگہداشت اور علاج ہو سکے۔

☆☆☆☆☆☆

مسافر بردار جہاز 'موشانا' سمندر کی طوفانی لہروں پہ جھکولے کھا رہا تھا اور دن کے وقت بھی ان سمندری حدود میں مسافروں کو عرشے پہ نکلنے کی ممانعت تھی۔ کیونکہ جرمنی کی بری اور فضائی افواج کے علاوہ سمندری طاقت بھی بحرِ اسود سے بحرِ قلزم پہ نہ صرف جرمن بمبار دستوں کی شکل میں پرواز کرتے رہتے تھے، بلکہ سمندری سرنگوں اور آبدوزوں کے علاوہ سب سے بڑا خطرہ تہ آب نشانہ مارنے والے تارپیڈو کا تھا جو ایسی جرمن سب میرینس سے داغے جاتے تھے، جو تہ سمندر میں بیٹھے ہوئے عفریتوں کی طرح شکار کی تاک میں لگی رہتیں۔

یہ جہاز جو خلیج فارس سے بلیک آؤٹ سسٹم کے ساتھ رات کی تاریکی میں روانہ ہوا تھا، رنگون سے آ رہا تھا۔ اس پر زیادہ تر ایسے مسافر سوار تھے جنھوں نے اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر بڑی رقمیں ادا کر کے یہ خطرناک سفر مول لیا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ اپنے وطن یا عزیزوں سے دور نہ مرنا چاہتے تھے۔ جاپان نے برما میں انسانی زندگیاں خطرے میں ڈال دی تھیں، اس لیے وہاں کے انگریز خاندانوں نے برطانوی وزارتِ جنگ کی مشرقِ بعید کی کمان سے خاص طور پر درخواست کر کے یہ جہاز چارٹر کرایا تھا۔ اس پر سفید جھنڈا لہرایا گیا تھا، تاکہ جنگی اصولوں کے مطابق یہ ہر طاقت کے حملوں سے محفوظ رہے۔ پھر بھی جرمنوں سے ایسی توقع بہت کم تھی کہ وہ اسے چھوڑ دیں گے۔ خلیج فارس میں ہی جہاز پر پانچ افراد اور سوار کیے گئے، جن میں تین افراد پر مشتمل ایک اعلا سول افسر کا خاندان تھا۔ ایک اس کی خادمہ اور ایک مسافر ہیری ہالورتھ تھا، جس کے بارے میں جہاز کے کپتان اور ڈاکٹر کو فوجی کمان کے ایک خط میں خاص ہدایات دی گئی تھیں۔

جہاز ابھی خلیج فارس سے روانہ ہی ہو رہا تھا کہ ریڈیائی پیغام کے ذریعے سے اطلاع دی گئی کہ وہ اپنا راستہ بدل دے، کیونکہ بحرِ قلزم میں جرمن آبدوزوں کا جال بچھا ہوا ہے۔ اسے اب براعظم افریقہ کا پورا چکر کاٹ کر انگلستان کو جانا پڑے گا۔

Akram Allahabadi

یہ سفر کہیں زیادہ طویل اور تکلیف دہ تھا، مگر بہر حال زندہ رہنے کی خواہش ہر تکلیف اور مصیبت پر حاوی تھی۔ اس لیے افریقہ تو کیا، انھیں اگر ساری دنیا کا چکر لگانا پڑتا تو شاید وہ دریغ نہ کرتے۔

مونٹانا اب وسط سمندر سے راستہ کاٹ کر راسِ امید کی طرف روانہ ہو چکا تھا اور ساحلی سفر کی بہ نسبت اس درمیانی سطح آب پر اس کے لیے خطرات کے امکانات بھی کہیں زیادہ تھے۔ وہ اس بحرِ بیکراں میں ایک تنکے کی طرح بہہ رہے تھا۔ ایک ایسا تنکا، جس پر حوادثات کے مقابلے میں ایک ہزار چیونٹیاں سوار ہوں۔ ہمیشہ گرجتے رہنے والے اس سمندر کے طوفانوں کے مقابلے میں ان انسانوں کی وقعت چیونٹیوں جتنی بھی تو نہ تھی۔

مونٹانا کا کپتان فن لینڈ کا رہنے والا تھا اور ایک تجربہ کار، مگر قوی الجثہ بوڑھا تھا، جو اپنی چالیس سالہ زندگی میں بارہا تلخ حقائق اور شدید حادثارت سے گزر چکا تھا۔ اسے اپنے اتنے ایڈونچر یاد تھے کہ وہ خود کو کیپٹن پیراج مانچوستان سے کم نہیں سمجھتا تھا۔ بلکہ کبھی کبھی تو اکثر میں خود کو سندباد بھی کہہ دیا کرتا تھا۔ کچھ بھی ہو، اسے ایسے مخدوش حالات میں محفوظ جہاز رانی کے تجربات دوسروں سے کہیں زیادہ تھے۔ اور اسی لیے اس جہاز کی کمان اس کے سپرد کی گئی تھی۔ اس کا نام والٹر اسمتھ تھا، مگر لوگ اسے صرف کیپٹن والٹر ہی کہتے تھے۔

آج تک مختلف جہازوں پر اسے مختلف قسم کے ہمسفروں سے پالا پڑا تھا، لیکن اس نے مسافر، جس کا نام ہیری ہالورتھ تھا، اسے بھی چکر میں ڈال دیا تھا۔ ہیری اب عام سویلین لباس میں تھا اور اس کے خوبصورت چہرے کی سنجیدگی اور اس کی شخصیت کو دیکھ کر کوئی بھی اس کے معزز اور سنجیدہ قسم کے آدمی ہونے میں کوئی شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن وہ کپتان کے لیے ایک پرابلم بن گیا۔ شاید کپتان والٹر کو یہ نہیں بتایا گیا تھا کہ وہ ایک ایسا فوجی افسر ہے جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ یہ راز اگر کسی کو معلوم ہوا بھی ہو تو وہ صرف ڈاکٹر ہی کو ہو سکتا تھا۔ کیپٹن والٹر کو صرف چند سربمہر کاغذات دیے گئے تھے، جو انگلستان پہنچ کر اسے بندرگاہ کی فوجی پولیس کو

اس مسافر کے بارے میں سپرد کرنے تھے۔

ہیری جب جہاز کی سیڑھیاں چڑھ رہا تھا، اسی وقت اس سے کچھ عجیب سی حرکت سرزد ہوئی تھی، جسے جوانی کی شرارت سمجھ کر لوگ ہنس پڑے تھے اور یہی خیال کیپٹن والٹر کا بھی تھا۔

ہیری اس انداز سے اکڑتا ہوا اور سب کو گھورتا ہوا جہاز پر چڑھ رہا تھا، جیسے یا تو کوئی بادشاہ ہو یا جہاز کا کپتان یا کوئی خونخوار قسم کا سمندری ڈاکو۔ پھر جب جہاز کے ڈاکٹر کی ہدایت کے مطابق ہیری کا کھانا جہاز پر اس کی کیبن میں بھیجا گیا تو اس نے پوری ٹرے اٹھا کر ملازم کے سر پر دے ماری۔

''بھاگ جاؤ۔ مجھے بھنے ہوئے سور کی ران چاہیے اور ایک ہزار سال پرانی اسکاچ۔''

پھر جب رپورٹ ملنے پر ڈاکٹر اس کی کیبن میں پہنچا تو وہ اسے کچھ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔

''شاید تم ہی میرے اسسٹنٹ ہو، مگر اس کی تو ایک آنکھ پھوٹی ہوئی ہے، میں تمہاری پھوڑ دوں؟''

''نہیں، میں خود ہی پھوڑ لوں گا۔'' ڈاکٹر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''پھوڑ لو گے، شاباش۔ مجھے ایسے ہی وفادار گدھے چاہئیں۔ کیپٹن کڈ کو اپنے ساتھیوں پر فخر ہے۔''

''میرے لیے کوئی حکم؟'' ڈاکٹر نے ادب سے جھک کر پوچھا۔

''ہمیں بھوک لگی ہے، لیکن ہم بھنے ہوئے سور کی ران کھائیں گے۔''

''ضرور فراہم کی جائے گی، میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر باہر چلا آیا۔ اس کا دماغ سوچ رہا تھا ضرور اسی ذہنی تعطل میں شعور تحتی کی کوئی بات حافظے کے اس خانے میں

Akram Allahabadi

پہنچ گئی ہے جہاں اس کی بچپن میں پڑھی ہوئی کتابوں کی یاد محفوظ رہی ہوگی، لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کس طرح اس سے نبٹے۔ کھانے کی مصیبت تو اس طرح حل کردی گئی کہ اس کے لیے رسدگاہ میں تازہ گوشت کے اسٹاک سے ایک بکرے کی ران بھنوا کر دے دی گئی، لیکن خدا جانے آگے یہ مسافر کیا کرنے والا تھا۔ ڈاکٹر بظاہر اس پر کسی قسم کی پابندی نہیں لگانا چاہتا تھا، کیونکہ اسے ڈر تھا کہ اگر ایسا کیا گیا تو وہ کچھ اور نہ کر بیٹھے۔

رات کو جب ڈاکٹر اس کے پاس پہنچا تو ہیری سکون کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب تھی جسے وہ الٹی رکھ کر دیکھ رہا تھا۔

''ہیلو، کیپٹن۔'' ڈاکٹر نے اسے مخاطب کیا۔ ''تم کیا پڑھ رہے ہو؟''

''پڑھ رہا ہوں...؟'' ہیری نے چونک کر اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''ارے یہ تو میرا آٹھواں سفرنامہ ہے، لو تم بھی کھاؤ۔'' اس نے کتاب اس کی طرف بڑھادی۔

''کیپٹن، کیا تمہیں اپنے ماضی کی کوئی بات یاد نہیں آتی؟''

''شٹ اپ۔ تم کیپٹن کڈ کو بیوقوف سمجھتے ہو؟ مجھے سب یاد ہے۔ میں نے بحرِ ہند میں ڈیوک آف ونڈسر کا جہاز غرق کیا تھا۔ میں نے...''

''تم کیپٹن کڈ نہیں ہو، کیپٹن ہیری ہو۔'' ڈاکٹر آہستہ سے سمجھانے والے لہجے میں بولا۔ جس کے جواب میں ہیری زور سے قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

''بوڑھے آدمی، تم یقیناً گھاس چر گئے ہو۔ جاؤ اپنا کام کرو، ورنہ میں تمہیں کوئلے کے بورے میں بند کر کے سمندر کی تہہ میں پھینک دوں گا۔''

''تمہارے آرام کا وقت ہوگیا ہے، کیپٹن۔''

''ہم سمندری ڈاکوؤں پر آرام حرام ہے۔ ہم آج کسی جہاز پر ڈاکہ ڈالیں گے۔''

ڈاکٹر مسکراتا ہوا اس کے پاس سے اٹھ گیا۔ ہیری دور تک اسے جاتے دیکھتا رہا، مگر اسی وقت عرشے سے اپنی طرف آتی ہوئی ایک لڑکی کو دیکھ کر چونک پڑا۔ پہلے تو وہ اسے کچھ دیر

تک دیکھتا رہا، پھر اس طرح پلکیں جھپکانے لگا، جیسے سمجھ نہ آ رہا ہو۔ اور جب وہ اور قریب آ گئی تو ہیری نے اس طرح منہ پھیر لیا، جیسے وہ اسے جانتا ہی نہ ہو۔ مگر وہ سلوانیا تھا۔ اس کا اس جہاز پر موجود ہونا کوئی کم تعجب خیز بات نہ تھی، لیکن وہ کوئی اور بھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے اس وقت ایک سفید لباس پہن رکھا تھا، جس کا سینے کا حصہ جالی دار تھا۔ پنڈلیاں کھلی ہوئی تھیں اور پیروں میں سفید سلیپر تھے۔

''ہیری۔'' وہ اسے دیکھ کر اس کی طرف لپکی۔ مگر ہیری تعجب زدہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

وہ اسے غیر ملتفت دیکھ کر اور قریب آ کر رک گئی۔ وہ خود اس سے مخاطب ہو گیا۔

''لڑکی، مجھ سے ملو، میں کیپٹن کڈ ہوں۔ آس پاس کے سمندروں کا خوفناک لٹیرا۔ میرا نام سن کر بھیڑیے دم ہلانے لگتے ہیں اور شیروں کی شکایت ہو جاتی ہے۔ مگر تم مجھے ضرور نارزن کی محبوبہ معلوم ہوتی ہو، یا پھر کسی بغداد کی شہزادی ہو گی۔''

''خوب۔'' سلوانیا مسکرائی۔ ''یہ کیا ڈھونگ رچایا ہے تم نے؟''

''ہمیں دیکھ کر مسکراؤ نہیں، ہم چھوکریوں پر عاشق ہو جانے کی نسبت فرانس کی فوج میں بھرتی ہو جانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔''

''مجھے بناؤ نہیں، ہیری۔ میں تمہارے لیے کتنا بڑا خطرہ مول لے کر آئی ہوں۔ میں بن غازی سے فرار ہو کر ایک یورپین خاندان کی ملازمہ بن کر اس جہاز پر آئی ہوں۔ مجھے میجر ہیوڈ نے بتایا تھا کہ تمہیں اسی جہاز سے انگلستان بھیجا جا رہا تھا۔'' وہ سنجیدہ اور اداس لہجے میں کہنے لگی۔

''تو تم انگلستان جا رہی ہو۔ لو نکالو، کتنی دولت ہے تمہارے پاس۔ میں تمہیں ضرور لوٹوں گا۔ سنا ہے انگلستان کے لوگ دولت مند ہوتے ہیں۔'' یہ کہتے کہتے ہیری نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ہیری، پلیز۔'' وہ روندھی سی ہو کر بولی۔

''لڑکی، جاؤ، ہم تمہیں معاف کرتے ہیں۔تم بھی کیا یاد کرو گی کہ کیپٹن کیڈ اوپر سے پتھر اور اندر سے موم واقع ہوا تھا۔جاؤ، پوچ، چلی جاؤ۔''

''میں نہیں جاؤ گی۔میں جانتی ہوں یہ سب مکاری ہے۔تم پاگل نہیں ہو۔''

''پاگل...؟ کون...؟ کیپٹن کڈ...؟ نانسنس۔تم ہم سے بات مت کرو، ورنہ ہمیں غصہ آ جائے گا تو ہم سمندر میں آگ لگا دیں گے۔''

''تو کیا تم واقعی اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہو؟''

''تم مجھے ضرور کوئی پاگل عورت معلوم ہوتی ہو۔میرے ہی جہاز پر مجھ سے بدتمیزیاں کر رہی ہو۔''

''جاؤ، دفع ہو جاؤ، ورنہ میں تمہارے سمندر میں پھینک دیے جانے کا حکم دے دونگا۔''

''پھینک دو، میں نہیں جاؤنگی۔''

''ارے واہ، کوئی زبردستی ہے۔''

''ہاں، زبردستی ہے۔میں تمہارے قریب رہنا چاہتی ہوں۔''

''کیوں؟''

''تم مجھے اچھے لگے ہو۔''

''اچھی تو تم بھی لگتی ہو، مگر...'' وہ کہتے کہتے رک گیا۔

''مگر کیا؟''

''مگر بدقسمتی سے تم پاگل ہو۔''

''اچھا اگر میں پاگل نہ رہوں تو تم مجھے اپنے قریب رکھو گے؟''

''ضرور رکھوں گا، بلکہ اپنی جیب میں رکھوں گا۔''

Akram Allahabadi

''اچھا تو پھر میں کیا کروں؟''

''تم کیپٹن کڈ کے لیے اپنے نازک نازک ہاتھوں سے کھانا پکایا کرو۔''

''او کے، کیپٹن۔''

وہ یہ کہہ کر مسکرانے لگی، مگر اسی وقت اس کی نظر ڈاکٹر پر پڑ گئی۔ وہ اسے اشارے سے بلا رہا تھا۔

''کیپٹن، میں ابھی آئی۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اجازت ہے۔'' ہیری نے ایک ہاتھ اٹھا کر کہا۔

وہ اٹھ کر چلی گئی۔ ڈاکٹر نے دیکھا ہیری اب پھر سب طرف سے بے نیاز ہو کر اس کتاب کو دیکھنے لگا تھا، مگر کتاب الٹی ہی تھی۔

''اگر برا نہ مانیں تو میرے ساتھ ایک منٹ کے لیے ڈیک پر آیئے۔'' ڈاکٹر نے آہستہ سے کہا۔

''چلیے۔'' وہ بلا جھجک بولی۔

وہ دونوں عرشے پر آ گئے۔ عرشہ تاریک تھا اور جہاں تک سفر کے مخدوش ہونے کا امکان تھا، کپتان کی ہدایت تھی کہ سوائے اندرونی روشنیوں کے باہر کی تمام روشنیاں بجھی رکھی جایا کریں۔ ڈیک پر اس وقت بالکل سناٹا اور تاریکی تھی اور دور سینہ سمندر پر حدِ نظر تک سوائے مچلتی موجوں کے شور کے کچھ نہ سنائی دیتا تھا۔ ڈیک کے دوسرے سرے پر کچھ ملاح کسی کام میں مصروف تھے، مگر وہ دور سے صرف کالے کالے سائے ہی نظر آتے تھے۔

''آپ کیپٹن ہیری کی واقف کار معلوم ہوتی ہیں؟'' ڈاکٹر نے سلسلہ گفتگو کا آغاز کیا۔

''جی ہاں، میں انھیں عرصے سے جانتی ہوں۔''

''لیکن آپ کو شاید یہ نہ معلوم ہوگا کہ وہ اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہیں اور ان کی ذہنی رو

مختلف اوقات میں بہکتی بھی رہتی ہے۔''

''معلوم ہے۔''

''آپ کو معلوم ہے؟'' ڈاکٹر چونکا۔''مگر کیسے؟ یہ بات تو صرف میں ہی جانتا ہوں۔''

''میں نے اس وقت ان کی کیفیت دیکھ کر یہی اندازہ لگایا تھا۔''

''تب تو آپ بڑی سمجھ دار معلوم ہوتی ہیں۔بہر حال مجھے بھی ایک ایسے مددگار کی ضرورت تھی جو اس سفر میں ہیری کے قریب رہ کر نہ صرف اس کی نگرانی کر سکے، بلکہ جہاں تک ہو سکے اسے سنبھالنے کی کوشش کرے۔''ڈاکٹر نے ان کی طرف پلٹتے ہوئے کہا۔

''آپ یہی چاہتے ہیں مجھ سے؟''

''جی ہاں۔اور مجھے یقین ہے کہ آپ انکار نہ کریں گی۔کیا آپ اس جہاز پر اکیلی سفر کر رہی ہیں؟''

''جی نہیں، میں ایک یورپین خاندان کے ساتھ ہوں، جو خلیجِ فارس سے ہی جہاز پر سوار ہوا ہے۔''

''اوہ، وہ مسز پیٹرچ، جو اپنے دو بچوں کے ساتھ جہاز پر سوار ہوئی تھیں۔میرا خیال ہے کہ میں ان لوگوں کے ساتھ آپ کا بھی ڈاکٹری معائنہ کر چکا ہوں۔''

''مجھے یاد ہے۔''

''تو پھر جہاں تک ہو سکے آپ اس سے اس طرح برتاؤ کریں جس طرح وہ خود کو سمجھ رہا ہے اور پھر جب اس کیفیت میں آپ کو اس کا اعتماد حاصل ہو جائے تو آپ مختلف طریقوں سے اسے پچھلی باتیں یاد دلانے کی کوشش کر سکتی ہیں۔''

''میں ضرور کوشش کروں گی۔''

''مجھے بس اتنا ہی کہنا تھا۔'' وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گیا۔''اف، یہ رات کتنی بھیانک

معلوم ہورہی ہے۔'' وہ تاریک خلا کی طرف گھورتا ہوا بولا۔

''تاوقتیکہ ہم راسِ امید تک نہ پہنچ جائیں، ہم خطرے سے باہر نہیں ہو سکتے۔'' سلوانیا سرد سانس کھینچ کر بولی۔

''کیا آپ کو بھی ان فوجی حالات کا کچھ علم ہے؟''

''میں نے جہاز پر ہی اس قسم کی باتیں سنی ہیں۔'' سلوانیا صفائی سے بات بنا گئی۔ وہ یہ بتانا نہیں چاہتی تھی کہ وہ کبھی کسی فوجی سروس سے وابستہ رہی ہے۔

''خدا کرے ہم خیریت کے ساتھ اس فاصلے کو عبور کرلیں۔'' ڈاکٹر یہ کہہ کر پلٹنے لگا، لیکن اسی وقت اسے کوئی ایسی چیز نظر آئی جسے دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ سلوانیا بھی اسی طرف دیکھنے لگی۔

''سطح سمندر پر دور کوئی روشنی دکھائی دے رہی ہے آپ کو؟'' اس نے بہت دور سمندر میں ٹمٹماتی ہوئی ایک مدھم سی روشنی کی طرف اشارہ کر کے سلوانیا سے پوچھا۔ سلوانیا کا دل دھڑکنے لگا تھا۔

''ہاں۔'' وہ چونکے ہوئے لہجے میں بولی۔

''لیکن ہوسکتا ہے کہ وہ کسی لائٹ ہاؤس کی روشنی ہو، مجھے اس بحری راستے کے بارے میں معلومات نہیں ہیں۔'' ڈاکٹر نے سادگی سے کہا۔

''کیا بہتر نہ ہوگا کہ آپ جہازس کے کپتان کو اس سے باخبر کردیں۔''

''مناسب تو یہی ہے۔ اچھا میں جاتا ہوں، آپ اپنا وعدہ یاد رکھیے گا۔ کپتان ہیری کو سلامتی کے ساتھ اس کی منزل پر پہنچانے کی ذمے داری مجھ پر ہے، بشرطیکہ کوئی ان ہونی خود ہماری سلامتی کو خطرے میں نہ ڈال دے۔ آج کل تو موت ہر طرف دیوانہ وار رقص کرتی پھر رہی ہے۔'' ڈاکٹر واپس لوٹتے ہوئے بڑبڑاتا رہا۔

''میرے خیال میں تو موت کے امکانات کو اتنے قریب اور اتنے شدید جان کر

ہمیں اس کی فکر ہی چھوڑ دینی چاہیے۔''وہ بے دلی سے بولی۔

''مایوسی کا دوسرا نام موت ہی ہوسکتا ہے، مگر بعض اوقات ہمت والے اسے بھی شکست دے دیتے ہیں۔''

''شب بخیر، مادام۔''ڈاکٹر یہ کہہ کر چلا گیا اور وہ کچھ دیر وہیں کھڑی رہ کر ہیری کے کیبن کی طرف روانہ ہوگئی۔

☆☆☆☆☆☆

''خبردار جو کسی نے اپنی جگہ سے ہلنے کی بھی جرأت کی۔''

اس آواز کو سنتے ہی اوپر ڈیک ریفریشر کے ہال میں بیٹھے ہوئے لوگ حیرت سے چونک کر دروازے کی طرف پلٹ پڑے۔چند سیکنڈ ہال میں ایک عجیب سناٹا چھایا رہا، پھر ایک ساتھ بہت سے قہقہے بلند ہوگئے۔

''خاموش رہو، اب یہ جہاز کیپٹن کڈ کے قبضے میں ہے۔''دوبارہ انھیں ہیری کی آواز سنائی دی اور ایک لمحے کے لیے ہال پر پھر سکوت طاری ہوگیا۔

''تم میں جو لوگ اپنی جان کی خیریت چاہتے ہیں ابھی جہاز سے اتر جائیں، جو میرے ساتھ رہیں گے انھیں پتوار چلانے پڑیں گے۔''

''او کے، کیپٹن۔ہمیں پتوار دو، ہم چلائیں گے۔''ایک میز سے ایک نوجوان آدمی نے اٹھتے ہوئے معصوم شکل بنا کر کہا۔

''مگر کیپٹن، ہم بیچ سمندر میں جہاز سے کیسے اتر سکتے ہیں؟''ایک دوسرے نے خوفزدہ شکل بنا کر پوچھا۔

اور ہیری سوچ میں پڑ گیا۔اس کا حلیہ اس وقت عجیب سا ہو رہا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ اس عجیب منظر سے زیادہ سے زیادہ لطف لینے کے لیے لوگ بڑی مشکل سے اپنی ہنسی روک

رہے تھے۔اس نے اپنی پتلون کے پائنچے پنڈلیوں سے اوپر چڑھا رکھے تھے اور کوٹ کی آستین پھاڑ کر اس کا جیکٹ بنالیا تھا۔وہ ہاتھ میں ایک چوڑی سی ایک گز لمبی لکڑی پکڑے ہوئے تھا جو شاید وہ کیبن سے اٹھا لایا تھا اور یہی اس کی تلوار تھی، جسے وہ بار بار گھما رہا تھا۔

اسی وقت دروازے کی طرف سے سلوانیا بھی آ پہنچی۔اس منظر کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔یہ وہی لیفٹننٹ ہیری تھا، جس کی سنجیدگی ایک مثال تھی۔اور آج تقدیر نے اس خوبرو وجیہہ نوجوان کو ایک کارٹون بنا دیا تھا۔

''ہمیں پتوار دو، کیپٹن کڈ۔ہم خشکی پر جہاز چلائیں گے۔'' وہاں کے آدمیوں میں سے وہی آدمی پھر بلند آواز سے بولا۔

''شاباش، ہمیں ایسے زندہ دل نوجوان بہت پسند ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی نظر سلوانیا پر پڑ گئی۔

''ارے تم آ گئیں، لڑکی۔اچھا کیا، جاؤ ان سب قیدیوں کو پتوار لا کر دو۔یہ ہمارا جہاز چلائیں گے۔''

''مگر کیپٹن، تمہارے سر پر سینگ نہیں ہیں۔'' ایک مسافر نے دور سے کہا۔

''کڈ جو ٹھہرے، کٹوا ڈالے ہوں گے۔'' کسی دوسرے نے جواب دیا۔

''اور دم کی بھی کسر ہے۔'' کوئی تیسرا بولا۔

''جھڑ گئی ہوگی۔ویسے بچھڑوں کی دم ہوتی کہاں ہے۔''

''پلیز۔'' سلوانیا چیخ اٹھی۔اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

''آپ ایک ایسے شریف آدمی کا مذاق اڑا رہے ہیں جو اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔یاد رکھیے، ایسا وقت آپ میں سے بھی کسی پر گزر سکتا ہے۔'' سلوانیا کے ان الفاظ نے خاطر خواہ اثر کیا۔وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے اور ایک ساتھ بہت سی آوازوں نے 'آئی ایم ساری، میڈم' کہہ کر خاموشی اختیار کر لی۔

Akram Allahabadi

''کیپٹن، اپنی کیبن میں چلیے۔''سلوانیا ہیری سے مخاطب ہو کر بولی۔

''کیوں چلوں؟ کیا ہم تمہارے غلام ہیں؟''

''نہیں، کیپٹن، کچھ جہازی آپ کے پاس فریاد لائے ہیں۔''

''فریاد لائے ہیں ہمارے پاس، اچھا تو چلو۔''وہ پلٹ پڑا، مگر نہ جانے جاتے جاتے اسے کیا یاد آ گیا جو ایک بار پھر رک کر ہال کی طرف دیکھنے لگا۔

''آج کی رات تم کیپٹن کڈ کے قیدی رہو گے۔کل تمہارا فیصلہ کیا جائے گا۔''وہ بلند آواز سے کہنے لگا۔''اور تم میں سے کسی نے ہماری شمشیر کے جوہر نہیں دیکھے ہیں تو وہ بھاگنے کی کوشش کر دیکھے۔ہم اس کی دم میں نمدہ باندھ دیں گے۔''

''کیپٹن، پلیز۔''سلوانیا نے ملتجیانہ انداز میں یہ کہہ کر اسے گھسیٹا اور باہر نکال لے گئی۔

''تم کیا ہماری چچی ہو جو بلی اور چوہوں کے بیچ میں کود پڑی تھیں؟''وہ ناخوشگوار موڈ میں بولا۔

''خدا کے لیے ہوش میں آؤ، کیپٹن۔''

''تو کیا ہم بے ہوش ہیں؟ لڑکی، تم ہمیں پوری پاگل معلوم ہوتی ہو۔ایک دم پاگل۔''

''ہاں ہاں، میں پاگل ہوں، مگر تم اپنی کیبن میں تو چلو۔جہاز پر حملہ ہونے والا ہے۔''وہ اسے ڈرانے کے لیے بولی، لیکن شاید بعض اوقات کسی کے منہ سے نکلی ہوئی کوئی بات صحیح بھی ہو جاتی ہے۔وہ ابھی اسے کیبن کی طرف لے جانے کی کوشش ہی کر رہی تھی کہ جہاز پر خطرے کا سائرن بجنے لگا۔پھر اسے عرشے پر آدمی دوڑتے نظر آئے اور لاؤڈ اسپیکر پر جہاز کے کپتان کی آواز سنائی دینے لگی۔

''عدن کے نیول ہیڈ کوارٹرز سے وائرلیس پر ابھی خبر ملی ہے کہ سمندر کے اس

علاقے میں ایک جرمن آبدوز دیکھی گئی ہے۔اس لیے ہمیں ہر قسم کے حالات کا مقابلے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔تمام مسافر اپنی کیبنوں میں چلے جائیں۔عرشے صاف چھوڑ دیے جائیں۔ روشنی کا ہر مقام جس قدر جلد ہو سکے بند کر دیا جائے۔خطرے کا دوسرا سائرن بجتے ہی لائف بوٹس جہاز سے لٹکا دی جائیں گی۔مسافر جس قدر جلد ہو سکے ان کشتیوں میں اتر جائیں۔جن میں ایمرجنسی کے لیے لائف ٹیوبس بھی رکھے ہوں گے، لیکن کسی قسم کا سامان ساتھ نہ لیا جائے۔اور یاد رہے کہ یہ سب کچھ بغیر کسی شور کے ہونا چاہیے۔''لوگوں نے اعلان پورا بھی نہ سنا، بے تحاشا اپنی کیبنوں کی طرف بھاگنے لگے۔ہر ایک کو اپنی جان کی پڑی تھی۔اس وقت وہ ہمسفری کے وقتی تعلقات دوستی، حتا کہ رشتے داریاں تک بھول گئے تھے، لیکن ایسے وقت بھی سلوانیا ہیری کے ساتھ تھی۔

''ہیری، خدا کیلیے تیار ہو جاؤ۔جہاز پر حملہ ہونے والا ہے۔''وہ اس سے التجا کر رہی تھی، لیکن ہیری کو کچھ ہوش نہ تھا۔سارے جہاز میں ایسا سناٹا چھا گیا تھا کہ جیسے مونثا نا انسانوں سے خالی تھی۔تباہی سے قبل کا بھیانک سکوت۔ہیری اچانک ایک عجیب سی آواز سن کر چونک پڑا۔وہی کراہنے کی آواز خدا جانے کس طرف سے آ رہی تھی۔وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھنے لگا اور اس کے چہرے کا رنگ زرد پڑ گیا۔

''یہ کیا ہے؟ یہ کیسی آواز ہے؟'' وہ چاروں طرف ویران نظروں سے دیکھ کر بڑبڑایا۔

''کیسی آواز؟ کیا ہوا؟''سلوانیا حیرت سے اس کی شکل دیکھ کر پوچھنے لگی۔

''کوئی کرہ رہا ہے۔یہ کون کراہ رہا ہے؟ کیا ہوا ہے اسے؟'' وہ کھوئے ہوئے انداز میں کہتا گیا۔

''کوئی تو نہیں، یہاں کون ہے؟ باہر بھی سناٹا ہے۔''

''تو پھر کس کی آواز ہے یہ؟'' اس کے کہتے کہتے سلوانیا کے بھی کان کھڑے

ہو گئے۔واقعی کوئی مدھم سی کراہٹ سنائی دے رہی تھی۔جیسے کسی نے شدتِ کرب سے تڑپ کر آہ کی ہو۔وہ ہیری سے کچھ کہے بغیر تیزی سے کیبن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

لیکن باہر یا عقب میں بھی اسے کوئی نظر نہیں آیا۔البتہ جہاز کے عملے کے کچھ لوگ عرشے پر متحرک نظر آرہے تھے۔اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ممکن ہے یہ کوئی وہم ہی رہا ہو،مگر جب وہ لٹ کر آئی تو اس نے دیکھا ہیری ایک ٹک کیبن کی دیوار پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ اسے جیسے سکتہ ہو گیا تھا۔

''ہیری...،ہیری،تمہیں کیا ہو گیا ہے؟''وہ اسے جھنجھوڑنے لگی۔

''آں...''ہیری چونک پڑا۔''کیا ہے؟''

''تو تم ہیری ہو نا؟''وہ جلدی سے سوال کر بیٹھی۔

''وہاٹ؟میرا نام ایفل ناور آف پکاسو ہے۔تم کس ہیری کو پوچھ رہی ہو لڑکی؟''

''میں تم کو پوچھ رہی ہوں۔''

''تم مجھے کیا جانو،جب میں نے تمہیں کبھی نہیں دیکھا۔''

ہیری کے اس جواب پر وہ حیران رہ گئی۔تو کیا پھر اس کی ذہنی رو کہیں اور بھٹک گئی ہے۔کیا اس کا حافظہ جواب دے چکا ہے؟وہ سوچنے لگی۔یہ اپنی نوعیت کا سب سے عجیب کیس تھا۔کبھی وہ سنتی آئی تھی کہ کسی سخت صدمے یا چوٹ کی باعث اکثر لوگ اپنی یادداشت کھو بیٹھتے ہیں،لیکن یہ تو کچھ اور ہی معاملہ تھا۔اس کا مطلب تو یہ تھا ہا ربار اس کے حافظے سے جانی پہچانی صورتیں اور ماضی قریب کے واقعات محو ہو سکتے تھے۔اور بار بار وہ مختلف کیفیتوں سے دوچار ہو سکتا تھا۔لیکن اسے زیادہ سوچنے کا وقت ہی نہ ملا۔کیونکہ خطرے کا دوسرا سائرن بجنا شروع ہو گیا تھا۔اس نے ہیری کا ہاتھ پکڑ کر اسے دروازے کی جانب گھسیٹا۔

لاؤڈ اسپیکر پر کپتان کی آواز آرہی تھی۔

''انڈیکیٹر بتا رہا ہے کہ کہیں قریب ہی تہ آب میں کوئی وزنی چیز حرکت کر رہی ہے،

جو جرمن آبدوز ہی ہو سکتی ہے۔لائف بوٹس کھولی جا رہی ہیں۔اپنی کیبنوں سے نکل کر سب نیچے عرشے پر جمع ہو جائیں۔

چنانچہ لوگ کیبنوں سے اس طرح نکل پڑے جس طرح اتفاق سے قفس کے کھل جانے پر محبوس پرندے نکلتے ہوں۔ان میں ہیری بھی تھا اور سلوانیا بھی۔وہ اسے بازو سے تھامے گھسیٹ رہی تھی اور ہیری کسی حنوط کی طرح حیرت سے منہ کھولے ادھر ادھر دیکھتا اس کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔

دوسری بار پھر جہاز کے کپتان کی آواز سنائی دی۔

"ایک جرمن آبدوز تیزی سے ہمارے جہاز کی طرف آ رہی ہے۔آپ لوگ کشتیوں میں اتر جایئے۔اگر قدرت کو آپ کی زندگی رکھنا ہے تو کسی کنارے لگ جائیں گے۔ میں مونٹانا کا کپتان والٹر اسمتھ،آپ سب کو الوداع کہتا ہوں۔اگر خطرہ ٹل گیا اور جہاز محفوظ رہا تو میں امن کا سگنل دے کر دوبارہ آپ کو جہاز پر بلوا لوں گا،ورنہ خدا حافظ۔

ان الفاظ کو سنتے ہی لوگ دھڑا دھڑ لائف بوٹس میں اترنے لگے۔لیکن کپتان کا خیال غلط نکلا۔ان کے جہاز پر کوئی تارپیڈو نہیں پڑا،لیکن جہاز سے صرف سو گز کے فاصلے پر انھیں سطح سمندر پر خفیف سی ہلچل سی معلوم ہوئی۔کپتان نے فوراً سرچ لائٹ کا رخ اس طرف کر دیا۔ان کے دیکھتے دیکھتے وہاں پانی سے پہلے ایک سیاہ رنگ کی راڈ ابھری،پھر ایک گنبد نما شے اور پھر ایک پورا آہنی قلعہ پانی کی تہ سے اس طرح ابھر آیا جیسے کوئی دیو پانی میں غوطہ لے کر اپنا سر باہر نکال رہا تھا۔وہ جرمن آبدوز تھی،جس نے شاید مونٹانا پر سفید جھنڈا دیکھ کر تارپیڈو نہیں مارا تھا،لیکن اس آبدوز سے ایک سرچ لائٹ کے روشن ہوتے ہی ان کی کشتیاں روشنی میں نہا گئیں۔ساتھ ہی انھیں اس آبدوز کی طرف سے ایک گونجتی آواز سنائی دی۔جرمن زبان میں کچھ کہا جا رہا تھا،جسے دوبارہ انگریزی میں دہرایا گیا۔وہ کہہ رہا تھا۔

"کسی کو بھاگنے کی ضرورت نہیں۔کیپٹن کو ہدایات کی جاتی ہے کہ اپنے مسافروں کو

جہاز پر واپس لے کر جہاز کو مشرق کی طرف گھما کر لے چلے۔ یہ جہاز اور اس کے تمام مسافر اور عملہ اس وقت جرمن بحری بیڑے کی قید میں ہیں۔ اس حکم کی پوری پوری تعمیل نہ کی گئی تو اسے تارپیڈو سے اڑا دیا جائے گا۔

تعمیل نہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ مونٹانا تو جنگی جہاز تھا نہ اس کے مسافر جنگجو قسم کے آدمی تھے۔ کپتان کو مسافروں کو جہاز پر واپس بلانا پڑا اور جہاز کا رخ اس نے مشرق کی طرف موڑ دیا۔ اسے خود نہیں معلوم تھا کہ اسے کس طرف لے جایا جا رہا ہے، لیکن سب میرین پیچھے چلی آ رہی تھی اور ذرا سی چالاکی کو مطلب تھا پورے جہاز کی تباہی۔ اس لیے اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ جہاز کو ان جرمنوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے۔

وہ اندھیرے میں چلتے رہے اور انھیں یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ جہاز پر کس وقت جرمنی آفیسر چڑھ آئے ہیں۔ وہ صرف دس آدمی تھے، جن میں سے دو آفیسرز معلوم ہوتے تھے باقی سپاہی، جو برین گنوں سے مسلح تھے۔

کپتان والٹر عرشے پر ہی موجود تھا۔ وہ خود ان کی طرف بڑھ آیا۔

''یس، آفیسر۔'' اس نے خود ہی سب سے آگے چلتے ہوئے جرمن آفیسر کو مخاطب کیا۔

''اس جہاز پر کتنے پولیٹیکل یا فوجی آدمی ہیں؟'' اس نے کپتان سے پوچھا۔

''ایک بھی نہیں۔'' کپتان نے جواب دیا۔ ''یہ جہاز صرف ایسے شہریوں کو لے کر جا رہا ہے جو دور دراز کے مقامات سے جنگ کے حالات میں بھی اپنے گھروں کو لوٹنے پر مجبور تھے۔'' وہ بولا۔

''تم اس جہاز کے کیپٹن ہو؟''

''ہاں۔ میرا نام والٹر اسمتھ ہے۔''

''یہاں سے سو میل مشرق میں ایک جزیرہ ہے، جرمن میرینس کمانڈ کے حکم کے

مطابق تمہیں وہیں اتارا جائے گا۔'' وہ آفیسر کسی قدر نرمی سے بولا۔ ''تمہیں جانے دیا جائے گا یا روکا جائے گا، یہ فیصلہ کمانڈر کے اختیار میں ہے۔''

''ہم غیر فوجی لوگ ہیں اور جنگی قوانین پر امن شہریوں کو پریشان کرنے کے حق میں نہیں ہوتے۔''

''میں نے کہا نا کہ فیصلہ کمانڈر ہی کرسکتا ہے، لیکن اپنے جہاز پر موجود لوگوں کو ہدایات کردو کہ وہ کوئی ایسی اشتعال انگیز حرکت نہ کریں جس سے ہمیں سخت ہونا پڑے۔'' اس نے کیپٹن والٹر کو ہدایت کی۔ اور کیپٹن صرف اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔ جرمن آفیسر جہاز پر گشت کرنے لگے۔ انھیں جگہ جگہ لوگ دو دو چار چار کے گروہوں میں بیٹھے گفتگو کرتے ہوئے نظر آئے۔ ان کے لہجے پریشان تھے اور چہرے زرد ہو رہے تھے۔ جرمن آفیسر جب ان کے قریب سے گزرنے لگے تو وہ سہم کر چپ ہو جاتے۔

جہاز ان آفیسرز کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا رہا۔ یہاں تک کہ رات کی تاریکی میں کئی گھنٹوں کے بعد انھیں کچھ مدھم روشنیاں نظر آئیں۔ وہ کوئی جزیرہ تھا، جو دور سے سمندر کی سطح پر ایک سیاہ اٹھان کی طرح نظر آ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ اس کے قریب پہنچ گئے۔

''لنگر ڈال دو۔'' ایک جرمن آفیسر نے کپتان کو حکم دیا۔ اور لنگر ڈال دیا گیا۔ جہاز کے لنگر انداز ہوتے ہی انھیں ساحل کی طرف سے اپنی طرف دوڑتی روشنیاں نظر آئیں۔ شاید وہ موٹر بوٹس تھیں۔

انھیں جہاز سے اتار کر جزیرے میں لے جایا گیا اور مونٹانا پر جرمن محافظ مقرر کردیے گئے۔ یہاں جرمن فوجیوں کے باقاعدہ کیمپ تھے، جو خیموں اور کچی بیرکوں پر مشتمل تھے۔ ایک سپلائی ڈپو بھی تھا اور ان کے پیچھے ایک بڑے سے میدان کو چاروں طرف سے خاردار تاروں سے گھیر کر جنگی قیدیوں کا کیمپ علاحدہ بنایا گیا تھا۔ جہاز کے تمام مسافروں کو کپتان سمیت اس کیمپ میں داخل کردیا گیا۔ اور جہاں پہلے سے کچھ مصری اور انگریز قیدی موجود تھے۔

لیکن بیرکوں میں تاریکی تھی۔ جرمن محافظوں کو حکم تھا کہ قیدیوں کے کیمپ میں رات کے وقت ۹ بجے کے بعد تمام روشنیاں بجھی رکھی جائیں اور ۹ بجے ہی قیدی اپنے خیموں میں چلے جایا کریں۔ یہ مقام جہاں بڑی بڑی ہری جنگلی گھاس اگی ہوئی تھی، مچھروں کی خاص آبادی معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ ان کی بھن بھن کا شور ہوا میں پھیلا ہوا تھا اور وہ چلتے راستے آدمیوں کو کاٹتے تھے۔

ان قیدیوں میں کیپٹن ہیری اور سلوانیا بھی موجود تھے۔ ہیری قطعی مطمئن اور ان حالات سے بے تعلق نظر آ رہا تھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ ویسے تمام دوسرے لوگ بے چین اور پریشان تھے۔ انھوں نے جرمن مظالم کی داستانیں سن رکھی تھیں اور ان کے دل ڈر رہے تھے کہ نہ جانے صبح ان کا کیا حشر ہوگا۔ صبح وہ جرمن کمانڈر کے سامنے پیش کیے جانے والے تھے، جو سویرے ہی یہاں پہنچنے والا تھا۔

کمانڈر ایک خوفناک سی شکل کا ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ ڈیل ڈول سے وہ کوئی دیو کا بچہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کے آفس کے سامنے، جو ایک کچی بیرک میں تھا، قیدیوں کو بیس بیس افراد کے جتھوں میں لے جایا جا رہا تھا، جہاں سے دو دو چار چار آدمی کمانڈر کی پیشی میں لے جائے جاتے تھے۔ دوسروں کے بارے میں اس نے کیا فیصلہ کیا، یہ باہر والوں کو معلوم نہ ہو سکا، مگر جب سلوانیا اور کیپٹن ہیری اس کے سامنے پیش ہوئے تو وہ سلوانیا کو بھوکی نظروں سے گھورنے لگا۔

''تم یوروپین نہیں معلوم ہوتیں؟'' اس نے سلوانیا سے پوچھا۔

''میں اطالوی ہوں اور اپنے شوہر کے ساتھ اس جہاز سے انگلینڈ جا رہی تھی جہاں مجھے اپنے گھر جانا تھا۔''

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''سلوانیا۔''

''پیارا نام ہے، جیسی پیاری تم ہو۔ خیر، تمہارا شوہر کہاں ہے؟''

''یہ... میرے ساتھ۔'' اس نے ہیری کی طرف اشارہ کیا۔ اور کمانڈر ہیری کو غور سے دیکھنے لگا۔

''یہ اطالوی نہیں معلوم ہوتا۔'' وہ بولا۔

''نہیں، یہ انگریز ہیں، لیکن ایک شریف شہری ہیں۔''

''ہُم...'' یہ کہہ کر وہ سامنے رکھی ہوئی فہرست دیکھنے لگا۔

''تم لوگ خلیج فارس سے سوار ہوئے تھے، لیکن اس آدمی کا نام تو تمہارے ساتھ نہیں ہے؟''

''جی ہاں۔ میں ایک انگریز خاندان کی ملازمت میں تھی، اس لیے میرا ٹکٹ ان لوگوں نے ہی لیا تھا۔'' وہ بولی۔

''مسٹر، تمہارا نام کیا ہے؟'' وہ اب ہیری سے مخاطب ہوا۔

''تھری ناٹ تھری۔ میں یونان کا سب سے بڑا فلسفی ہوں۔'' ہیری نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''وہاٹ؟'' کمانڈر چونکا۔

''ان سے کچھ پوچھنا بیکار ہوگا۔ یہ کافی عرصے سے پاگل ہو چکے ہیں۔''

''پاگل...؟ کون...؟ میں پاگل؟'' ہیری نے چونک کر کہا۔ ''پاگل تو یہ لڑکی ہے اور تم بھی اگر مجھے پاگل سمجھو تو خود پاگل ہو۔ میں یونان کا سب سے بڑا فلسفی تھری ناٹ تھری ہوں، جس نے پتھر کے کھمبے سے انسان کی اولاد پیدا کی تھی۔ میں نے ایک نسخہ ایجاد کیا ہے جسے کھا کر انسان ہزاروں سال تک زندہ رہ سکتا ہے۔''

''چپ رہو۔'' جرمن کمانڈر نے اسے ڈانٹا۔

''لڑکی، یہ کون احمق مجھے ڈانٹ رہا ہے؟'' ہیری نے کمانڈر کی طرف اشارہ کر کے

سلوانیا سے پوچھا۔

''پلیز، کمانڈر، ان کی بات کا برا نہ مانیے گا۔ یہ اپنے آپے میں نہیں ہیں۔''

''تو کیا تمہارے آپے میں ہیں؟'' ہیری نے برا سا منہ بنا کر کہا۔ ''میری عقلمندی پر شک کرنے والے یونان میں گدھوں سے بدتر سمجھے جاتے ہیں۔ لڑکی، تم بھی ان میں سے ایک ہو۔''

''خیر، انھیں میں پھر سمجھوں گا۔ پہلے میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔'' کمانڈر یہ کہہ کر پھر سلوانیا کی طرف متوجہ ہو گیا۔

''اگر کمانڈر کو مجھ پر یقین نہیں تو وہ ہر طرح اس کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ میں اطالوی ہوں اور اطالوی جرمنوں کے دوست ہیں۔'' سلوانیا کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔

''وہ ہم جانتے ہیں۔ مسولینی فیوہرر کے بہترین دوست ہیں، مگر تمہارا شوہر...؟'' وہ یہ کہتے کہتے معنی خیز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''یہ بالکل بے ضرر انسان ہے، کمانڈر۔ اور ان کے لیے اگر آپ کو کوئی شبہ ہو تو آپ ان کا کسی ڈاکٹر سے معائنہ کرا کے تصدیق کر سکتے ہیں کہ یہ پاگل ہیں۔'' وہ لجاجت سے بولی۔

''میں پاگل نہیں ہوں، کمانڈر۔ مجھے اپنا اصل نام یاد آ گیا ہے۔'' ہیری نے اچانک درمیان میں دخل دیا۔ اور اس کے منہ سے یہ الفاظ سن کر سلوانیا چونک پڑی۔ کہیں اس کی یادداشت تو اچانک نہیں لوٹ رہی ہے۔

''کیا اصل نام ہے تمہارا؟'' کمانڈر نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھ کر پوچھا۔

''فیثاغورث۔ ہاں، یہی نام ہے میرا۔ تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام افلاطون ہے۔'' کمانڈر نے قہقہہ مارتے ہوئے کہا۔

Akram Allahabadi

''تم ہنس رہے ہو۔شرم آنی چاہیے تمہیں۔''

اسے جواب دینے کی بجائے کمانڈر نے اپنے آفیسر کو اشارے سے پاس بلایا اور جرمنی زبان میں اسے کچھ ہدایت دینے کے بعد سلوانیا سے مخاطب ہوگیا۔

''میں نے ہدایات کردی ہے کہ تم دونوں سردست ہمارے مہمانوں کی حیثیت سے رہو گے،لیکن ایک اطالوی کی حیثیت سے تمہیں ہماری مدد کرنی چاہیے۔'' وہ انگریزی میں بولا۔

''فرمایئے، میں کیا کرسکتی ہوں؟''

''تم بہت کچھ کرسکتی ہو۔ میں شام کو اس کے متعلق تم سے گفتگو کروں گا۔'' یہ کہہ کر اس نے انھیں رخصت ہونے کا اشارہ کیا۔ وہ جرمن آفیسران کے ساتھ ہولیا،لیکن اس طرح ان کی رہنمائی کررہا تھا، جیسے وہ واقعی معزز مہمان ہوں۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

نئی سازش

جزیرے پر ایک ویران اور اندھیری رات مسلط تھی۔صرف جرمن محافظ اور گشتی سپاہی جاگ رہے تھے۔قیدیوں کے کیمپ کے چوکیوں میں بھی محافظ مشین گنیں لیے کھڑے تھے۔کیمپ کے باقی حصے میں سکوت چھایا ہوا تھا اور اس وقت سلوانیا کمانڈر کے خیمے میں اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی اسے اپنے ہاتھ سے شراب پلا رہی تھی۔

''تم بہت خوبصورت ہو، سلوانیا۔تعجب ہے کہ اتنی پرکشش ہوتے ہوئے تم ایک پاگل آدمی کے لیے اپنی جوانی برباد کر رہی ہو۔'' وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اسے سمجھانے لگا۔

''مجھے اس پر رحم بھی آتا ہے، کرنل۔وہ میرا شوہر ہے اور دنیا میں میرے سوا اس کا کوئی نہیں ہے۔'' وہ کہنے لگی۔

''خیر خیر، اگر رحم کے جذبے سے تم اسے بھی ساتھ رکھو تو کوئی حرج نہیں، لیکن... لیکن میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔''

''کرنل، تمہاری جیسی تندرست شخصیت تو خود عورتوں کے لیے باعثِ کشش ہے۔'' اس نے کرنل کو ایک پیگ اور پلا ڈالا۔

''نہیں نہیں، تم مجھے خوش کرنے کے لیے کہہ رہی ہو۔'' وہ اسے زبردستی اپنی آغوش میں کھینچتے ہوئے بولا۔

''میری ایک بات مانو گے، کرنل۔'' وہ اسے مسحور کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''ہاں ہاں، کہو، ہم فاتح جرم کیا کچھ نہیں کر سکتے۔تم کہہ کر دیکھا۔''

''یہ تمام مسافر بے ضرر اور گھر بار والے لوگ ہیں۔انھیں چھوڑ دو۔''

''مگر جرنل...؟'' کرنل نے کہنا چاہا۔

Akram Allahabadi

''تم کوئی معمولی آفیسر نہیں ہو۔اور پھران کو قید رکھ کرتم خود ہی ایک پریشانی مول لے رہے ہو۔مفت کی خوراک،نگرانی۔جب کہ یہ نہ کوئی فوجی آدمی ہیں اور نہ ان سے کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے۔''وہ اپنی گرم سانسوں سے کرنل کے نشے کو دوبالا کرتے ہوئے کہنے لگی۔

''اچھا اچھا،میں انھیں چھوڑ دوں گا،مگر ایک شرط...''

''کیا؟''

''مجھے آج تمام رپورٹ مل چکی ہے،بلکہ یہاں تک معلوم ہو چکا ہے کہ تم صرف کیپٹن ہیری کی وجہ سے بن غازی سے فرار ہوئی ہو۔تمھیں اتحادیوں یا ان کی لڑائی سے کوئی دلچسپی نہیں۔تم صرف ہیری سے محبت کرتی تھیں۔''

''ہیری...؟''وہ چونک پڑی۔

''ہاں ہاں،اب جھوٹ بولنے سے کوئی فائدہ نہیں اور جان بچانے کے لیے جھوٹ بولنا کوئی بری بات بھی نہیں ہے۔''کرنل خوشگوار موڈ میں ہنستے ہوئے بولا۔

''اوہ،کرنل،تم کتنے شاندار آدمی ہو۔کتنے فراخدل۔''وہ اس کی تعریف کرنے لگی۔

''اور اگر تم ہماری مدد کروگی تو میں اس سے بھی زیادہ فراخدل ثابت ہونگا۔''

''میں تمہارے لیے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں،بتاؤ مجھے۔''

''تمھیں ہمارے لیے ایک بار پھر اتحادیوں کے کیمپ میں جانا ہوگا۔ہم مشرقِ وسطیٰ سے تیل پمپ کرنے والی ان کی پائپ لائنیں اڑانا چاہتے ہیں۔تم اس سلسلے میں کافی کارآمد ثابت ہوسکتی ہو۔تمھیں اس کام کے عوض اس قدر دولت بھی مل جائے گی کہ روم میں بیٹھ کر باقی زندگی شاندار طریقے پر گزار سکو۔''

''لیکن میں اکیلی کیا کرسکوں گی؟''

''تم کیپٹن ہیری کی وجہ سے دوبارہ اتحادیوں میں پہنچ سکو گی۔اس کا انتظام ہم کر

دیں گے کہ تم ہمارے ایک کیمپ سے فرار ہو کر ان سے جا ملو، باقی ہدایتیں کسی نہ کسی طرح ملا کریں گی۔'' کمانڈر نے بتایا۔

''مجھے منظور ہے، بشرطیکہ ہیری کو مجھ سے جدا نہ کیا جائے۔ میں اس کے بغیر نہیں جا سکتی۔''

''نہیں، وہ تو تمہارے ساتھ جائے گا، ورنہ اتحادی تم پر یقین مشکل سے کریں گے۔'' کمانڈر نے کہا۔

''ہم کب روانہ ہوں گے؟''

''کل ہی، لیکن یاد رہے کہ اگر کسی وقت بھی تمہاری نیت بدلی، تو ہمارے خیالات اٹلی والوں کی وفاداری اور دوستی کے لیے مشکوک ہو جائیں گے۔'' کمانڈر نے اسے مزید غیرت دلائی۔

''مجھ پر بھروسا رکھو، کیپٹن۔ جب میری قوم تمہاری دوست ہے تو میں بھی تمہاری دوست ہوں۔'' اس نے یقین دلایا۔

''صرف دوست...؟'' کرنل خمار آلود نظروں سے اس کی آنکھوں کو تکتے ہوئے مسکرا دیا۔

''میں بہت تھکی ہوئی ہوں، کرنل۔'' وہ انگڑائی لے کر اٹھ بیٹھی، لیکن کرنل نے اسے گھسیٹ کر اپنی بانہوں میں کس لیا اور اپنے بدبودار ہونٹ اس کے پتلے گلابی ہونٹوں پر چسپاں کر دیے، لیکن دو چار ہچکی اور پلا دینے کے بعد اسے بات کرتے کرتے ہی نیند آ گئی۔

☆☆☆☆☆☆

انسان سوچتا کچھ ہے اور قدرت کرتی کچھ ہے۔ سلوانیا دل میں سوچ کر چلی تھی کہ وہ کسی بھی طرح ہیری کو ان جنگی ہنگاموں سے نکال لے، صرف اپنے لیے، کیونکہ ہیری ماضی کی

تمام باتیں بھول چکا تھا، کسی بھی مشکل میں سہی، وہ اب سلوانیا سے بہت قریب ہوگیا تھا اور اس کے بغیر اسے بے قراری محسوس ہونے لگتی تھی۔ سلوانیا اس حیثیت میں بھی اسے پا کر خوش تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ اتحادی کیمپ میں پہنچ کر سب کچھ بتا دے گی اور اس طرح اسے ہیری کے ساتھ اس کے وطن بھیج دیا جائے گا۔

لیکن ابھی یہ طیارہ، جس میں انھیں بھیجا جا رہا تھا، سمندر پر ہی پرواز کر رہا تھا کہ ایک اتحادی آبدوز نے اسے دیکھ لیا۔ یہ آبدوز بحیرہ عرب میں گشت لگاتی ہوئی اس طرف آ نکلی تھی اور اس میں اینٹی ایئر کرافٹ گنز بھی نصب تھیں۔ طیارہ، جس میں صرف ایک جرمن پائلٹ اور ایک جرمن آفیسر تھے، ان گنز کی زد میں آ گیا۔ قبل اس کے اِس سب میرین پر بم مارنے میں کامیاب ہو سکے، ٹکڑے ہو کر سمندر میں جا گرا اور چند گھنٹے بعد سلوانیا نے خود کو ہیری کے ساتھ ایک لوہے کی دیواروں والے قید خانے میں بند پایا۔ انھیں میرین کے عملے نے ڈوبنے سے بچا کر قید میں لے لیا تھا۔ یہ آبدوز امریکن بحری بیڑے سے تعلق رکھتی تھی اور اس پر امریکن ہی تھے۔ انھیں کئی گھنٹوں کے بعد میرین کمانڈر کے سامنے پیش کیا گیا۔ یہ ایک ہنس مکھ امریکن فوجی آفیسر تھا، جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آیا۔ یہ بھی اتفاق تھا کہ اس طیارے کے ۱۵ افراد میں وہی دو زندہ بچے تھے۔ سلوانیا نے یہ جان کر کہ آبدوز اتحادیوں کی ہے، تمام واقعہ اس کمانڈر کو سنا دیا۔ وہ ہنسنے لگا۔

"بالعموم قید میں آئے لوگ اسی طرح کے افسانے سنایا کرتے ہیں۔" وہ ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

"آپ تصدیق کر سکتے ہیں، اگر میرا بیان جھوٹ ہوا تو ہر سزا مجھے قبول ہے۔" سلوانیا نے کہا۔

"میں صرف یہ کر سکتا ہوں کہ آبادان میں آپ کو گوں کو اتحادی کمانڈر کے حوالے کر دوں۔ آپ کو جو صفائی پیش کرنی ہے، وہیں کریے گا۔" اس نے خلیق لہجے میں کہا۔ "دراصل

ہم امریکیوں کو ادھر کے حالات کا علم نہیں ہے۔"

"بہتر ہے۔" یہ کہہ کر وہ خاموش ہو رہی۔

"ان کا یہ تہ آب سفر چند گھنٹوں تک جاری رہا۔ اس کے بعد جب انھیں سب میرین ٹھہری ہوئی معلوم ہوئی تو سلوانیا چونک پڑی۔ وہ اب سطح آب پر ابھر رہی تھی۔ شاید یہ ساحل آبادان تھا۔ آبدوز کے کمانڈر نے انھیں یہاں ایک آسٹریلوی فوجی پولیس آفیسر کو سونپ دیا اور سب میرین واپس اپنے سفر پر روانہ ہو گئی۔ سلوانیا اب خوش تھی کہ منزل کے قریب کے امکانات اب زیادہ واضح ہو گئے ہیں۔

☆☆☆☆☆☆

مگر یہاں جو واقعہ پیش آیا، وہ واقعی خلاف توقع تھا۔ یہ بہت بڑا محاذ تھا، جہاں قیدیوں کے دو کیمپ بھی تھے اور ان میں جرمن اور اطالوی قیدی رکھے گئے تھے۔ اس محاذ کی چارج مشترک طور پر آسٹریلوی اور کینیڈا کی بری فوجوں کے قبضے میں تھا۔ تقریباً شام کو ۴ بجے انھیں کمانڈنٹ کے سامنے لے جایا گیا۔ یہ ایک ضدی قسم کا تنومند اور غصہ آور آدمی تھا جو گفتگو کرنے سے پہلے ہی انھیں خونخوار نظروں سے گھورنے لگا۔

"تو تم لوگ جرمن طیارے سے سفر کر رہے تھے؟" وہ دانت پیس کو بولا۔

"ہم جرمنوں کی قید میں تھے۔" سلوانیا نے کہنا چاہا۔

"جرمن تمھیں شاید سمندر کی سیر کرا رہے تھے۔ بیوقوف لڑکی، ہمیں ہمارے جاسوس تمہاری روانگی کے وقت ہی خبر دے چکے تھے کہ ایک اطالوی لڑکی اور اس کا ایک ساتھی اتحادی کیمپ میں جاسوسی کے لیے آ رہے ہیں۔ انھیں تیل کی لائن اڑانے کا کام سونپا گیا ہے۔"

کمانڈنٹ نے، جو عہدے میں شاید لیفٹننٹ جنرل تھا، لہجے میں اور سختی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ یہ ایک انگریز آفیسر ہیں اور میں اتحادیوں کی غدار

نہیں ہوں۔" سلوانیا نے اسے سمجھانا چاہا۔

"کیا انگریزوں میں ضمیر فروش لوگ نہیں پیدا ہوتے، ضرور ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر قوم میں پیدا ہوتے ہیں۔"

"آخر آپ ہمیں مجرم سمجھنے سے پہلے تحقیقات کیوں نہیں کر لیتے؟" سلوانیا نے اس سے اپیل کی۔

"ایسا..تو لو، ابھی لو۔" یہ کہہ کر وہ اپنے ایک آفیسر سے مخاطب ہوا۔ "میجر، ذرا ایکس ۵۷ کو بلوایئے۔" اس نے حکم دیا۔

"وہ باہر موجود ہے۔" میجر نے جواب دیا۔ اور وہ باہر چلا گیا۔

"اس کے بعد جو آدمی اندر داخل ہوا اسے دیکھ کر سلوانیا کا رنگ زرد پڑ گیا۔ اس آدمی کو وہ جرمن کیمپ کے ساتھ دیکھ چکی تھی اور اسی کو کمانڈر نے حکم دیا تھا کہ ان کی روانگی کا انتظام کرائے۔ وہ ان دونوں کو خوفناک نظروں سے گھورنے لگا۔

"تم انھیں پہچانتے ہو، ایکس ۵۷؟" جنرل نے اس کی طرف دیکھ کر ان دونوں کے بارے میں پوچھا۔

"اچھی طرح۔ یہی ہیں وہ جاسوس جو پائپ لائنوں کے لیے بھیجے گئے ہیں۔" وہ منہ چباتے ہوئے بولا۔

"جنرل، میں درخواست کرتی ہوں کہ آپ غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔ میرے ساتھی اتحدی فوج کے ایک آفیسر کپتان ہیری ہیں اور میں..."

"تم کیا ہو؟" جنرل مسکرایا۔ حالانکہ اس کی یہ مسکراہٹ خوفناک تھی۔ جواب دینے کے بجائے، وہ شرما گئی۔

"تمہارا نام کیا ہے، نوجوان؟" جنرل نے اب ہیری سے ہی سوال کیا۔

"میرا نام، میرا نام ہٹلر ہے۔ فیوہرر... ہٹلر..." وہ گھونسا ہوا میں تان کر بولا۔ پھر اس

نے سینہ پھلا کر ایک بار سب کی طرف دیکھا اور بھاری آواز میں کہنے لگا۔ ''تم لوگ ایک چوہیا پر ظلم کر رہے ہو۔ میں تم سب کو سولی پر چڑھواؤں گا۔'' یہ کہتا ہوا وہ پلٹا، مگر جب اس نے پیچھے ایک آفیسر کو پیر پھیلائے کھڑا دیکھا، تو اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''اٹینشن۔'' اس نے چیخ کر کہا۔ اور گھبراہٹ میں واقعی وہ آفیسر اٹینشن ہو گیا۔

''فیوہرر۔'' ہیری نے ایک ہاتھ بلند کر کے کہا۔ ''جرمن قوم زندہ باد۔ ہم ساری دنیا کو فتح کریں گے اور سب کو اپنے باربرداری کے خچروں کی جگہ جوتیں گے۔'' وہ بکتا چلا گیا۔ اور سلوانیا کا چہرہ اور زرد پڑ گیا۔

''جنرل، یہ پاگل ہیں۔ یہ اپنے ہوش میں نہیں ہیں۔'' سلوانیا چیخی۔

''جھوٹ مت بولو لڑکی۔ ہم نہ پاگل ہیں نہ بیہوش۔ جرمن قوم زندہ باد۔''

''اور سنو، اے موٹے آدمی، اب تو ہم نے راکٹ بم بھی ایجاد کر لیے ہیں۔ ہم تمہاری ناک کاٹ کر کوؤں کو کھلائیں گے، ورنہ ڈر جاؤ ہم سے اور ہمارے سامنے دم ہلانے لگو۔''

''سنا تم نے، لڑکی؟'' جنرل کا تخاطب سلوانیا کی طرف تھا۔ ''تم ہمیں دھوکا دینے چلی تھیں۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں، جنرل۔''

''بکو مت۔'' یہ کہہ کر وہ میجر سے مخاطب ہوا۔

''اسے اطالوی قیدیوں کے کیمپ میں بھیج دو۔''

''مگر سنیے تو...'' سلوانیا نے آنکھوں میں آنسو بھر کر اس سے درخواست کی۔

''خاموش رہو، لڑکی۔ زیادہ چالاک بننے کی کوشش نہ کرو۔'' جنرل نے اسے ڈانٹ دیا۔ وہ تڑپ اٹھی۔ اس کے سامنے ہیری کو دو فوجی آدمی گھسیٹ کر لیے جا رہے تھے اور وہ یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کے ہیری کو اس سے ہمیشہ کے لیے جدا کیا جا رہا ہے یا وہ پھر بھی کبھی مل

Akram Allahabadi

سکیں گے۔

''ہیری...'' وہ چیخ کر دوڑی اور اس کے سینے سے لپٹ گئی۔ وہ سسکیاں لے کر رونے لگی۔

''ختم کرو یہ ناٹک۔'' جنرل بگڑ گیا اور سپاہیوں نے زبردستی اسے ہیری سے الگ کر کے ایک طرف دھکیل دیا۔

''مجھے ان کے ساتھ جانے دو، جنرل۔'' وہ چیخی۔

''نہیں، عورتوں کے لیے سزائیں مختلف ہیں۔ ہم اتحادی جرمنوں کی طرح درندے اور بداخلاق نہیں ہیں۔'' اسے کرنل کا جواب ملا۔

''یاد رکھو، شتر مرغ کی اولاد و، ہٹلر تمہاری دم میں نمدہ ضرور باندھے گا۔'' ہیری نے جاتے جاتے رک کر بولا۔ ''ہیل ہٹلر۔''

''لے جاؤ۔'' جنرل حلق کے بل چیخا۔

''ہاؤ... ہو۔'' ہیری نے اسے کسی بلڈاگ کے انداز میں ڈانٹ دیا۔ اور سپاہی اسے گھسیٹ کر لے گئے۔ جنرل کا موڈ اور خراب ہو گیا تھا۔ اور سلوانیا نڈھال ہو کر گر پڑی، جب اس کے لیے یہ حکم سنایا گیا کہ اسے انگلینڈ بھیجا جائے گا، جہاں اس کا فیصلہ وار آفس سے ہو گا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

بیراگڑھ کیمپ

آج چھ ماہ بعد بیراگڑھ کے جنگی قیدیوں کے کیمپ میں اطالوی جنگی قیدیوں کی چوتھی قسط آئی تھی، جو تقریباً ڈیڑھ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ جنوبی ہند میں یہ جنگی قیدیوں کا سب سے بڑا کیمپ تھا، جسے بھوپال کی آبادی کے باہر بسایا گیا تھا اور اس کے اہتمام کے لیے بیرا گڑھ جیسے مقام پر ایک شہر جتنی آبادی پھیل گئی تھی۔ نئے قیدیوں کو بیراگڑھ نمبر ۲ کے خاردار تاروں سے گھرے ہوئے کیمپ میں رکھا گیا تھا۔ اس کیمپ میں تقریباً دو سو بیرکیں تھیں، جن میں سے ہر بیرک میں دس دس قیدی آرام سے رہ سکتے تھے۔ اس کے باہر تقریباً پندرہ فٹ بلند کھمبوں کے ساتھ خاردار تاروں کا احاطہ کھنچا ہوا تھا، جس کے بعد دس فٹ کا راستہ چھوڑ کر ویسی ہی تار کی ایک اور دیوار کھڑی کر دی گئی تھی اور یہ دس فٹ کا راستہ جو کیمپ کے چاروں طرف تھا، محافظ سنتریوں کے لیے کیمپ کے چاروں طرف گشت لگانے کے کام آتا تھا۔ کیمپ کے چاروں کونوں پر زمین سے تقریباً ۲۵، ۳۰ فٹ بلند مچانیں تھیں، جن پر کھڑے ہو کر فوجی محافظ ہر وقت قیدیوں اور کیمپ کی نگرانی کرتے رہتے اور خاردار راستے میں دوسرے محافظ بندوقیں کندھے پر رکھے گشت کرتے رہتے تھے۔

رات کو تقریباً ۸ بجے اس کیمپ میں کچھ گڑبڑ ہونے کی اطلاع قریب کی فوجی چوکی کو ملی اور اس کا انچارج کیپٹن فوراً اپنی جیپ کار لے کر دوڑ پڑا۔ اسے محافظوں نے بتایا کہ اندر تین نمبر بیرک میں کچھ قیدی لڑ پڑے ہیں۔

یہ اطالوی قیدی آپس میں ضرور جھگڑتے رہتے تھے۔ ان میں سے تقریباً سب کی کھوپڑیاں ہی بالوں سے صاف رہتی تھیں۔ شاید سر کے بال منڈانا ان کا فوجی رواج تھا۔ ان میں بعض جھگڑے تو محض سگریٹوں کے لیے ہوتے تھے۔

Akram Allahabadi

کیپٹن جونو جوان ہی تھا، لیکن اپنی گتھی ہوئی داڑھی سے ہندوستانی سکھ معلوم ہوتا تھا، ان قیدیوں کے درمیان سے خاموشی سے گزرتا ہوا تین نمبر بیرک میں داخل ہوگیا۔ یہاں اسے ایک قیدی زخمی پڑا نظر آیا، جو اس کو پہلی ہی نظر میں دوسرے قیدیوں سے مختلف نظر آیا۔

''کیا جھگڑا ہے یہ؟'' اس نے انگریزی میں پوچھا۔

''یہ قیدی اپنے آپ کو ہر ہٹلر کہتا ہے اور ہم ہٹلر کا نام بھی کسی کی زبان سے نہیں سننا چاہتے۔'' ایک موٹے قیدی نے بتایا۔

''کیوں؟'' کیپٹن مسکرایا۔

''اس پاگل ڈکٹیٹر کی وجہ سے ہمارا یہ حال ہوا ہے کہ ہم اپنے بیوی بچوں سے دور یہاں قیدی کی زندگی گزار رہے ہیں۔'' وہ آدمی زمین پر تھوکتا ہوا بولا۔

''خیر، مگر تمہیں اس طرح کسی قیدی کو مارنے کا حق نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر کیپٹن نے جیسے ہی اس قیدی کو دیکھا، حیرت سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''کیپٹن ہیری ہالورتھ؟'' وہ اچھل پڑا۔ ''یہ یہاں کیسے آئے؟'' اس نے کھوئے ہوئے انداز میں ان لوگوں سے پوچھا۔

''ہم کیا جانیں۔ اور یہ اطالوی بھی نہیں ہے۔ مگر آبادان سے ہمارے ہی ساتھ بھیجا گیا ہے۔'' ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

''اوگاڈ، ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔'' وہ یہ کہہ کر فوراً پلٹا۔ اسے ایک جمعدار پیچھے کھڑا نظر آیا۔

''جلدی سے اس قیدی کو اسپتال پہنچاؤ، میں وہیں آتا ہوں۔'' اس نے اسے ہدایت کی اور فوراً کیمپ سے نکل گیا۔ اپنی جیپ لے کر کمانڈنٹ کے آفس کی طرف دوڑ پڑا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

دوسرے دن صبح نہ صرف کمانڈنٹ، بلکہ ایریا کا بریگیڈیئر بھی بیراگڑھ کے قیدیوں کے اسپتال میں ہیری کے بیڈ کے پاس موجود تھا۔ اور کیپٹن سنگھ انھیں ہیری کے متعلق بتا رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ میری جان بھی کیپٹن ہیری ہی نے بچائی تھی۔ ایسا دوست میری زندگی میں اور کوئی نہیں آیا۔ یہ الادریس کے محافظ کا ہیرو ہے۔ صرف چوٹ لگ جانے سے اس کی یادداشت جاتی رہی ہے۔

''میں جانتا ہوں۔'' بریگیڈیئر نے کہا۔ ''میں آفیسر کو کرکی میں دیکھ چکا ہوں۔ یہ ہندوستانی یونٹ میں تھا۔ تعجب کہ آبادان کے محاذ سے اس کو اطالوی قیدی کیسے بنا کر بھیجا گیا۔ میں ابھی کیبل سے اس کی ہسٹری منگاتا ہوں۔''

بریگیڈیئر نے وعدہ کیا، مگر کیپٹن ہیری ان کی باتیں اس طرح سن رہا تھا، جیسے اس کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا ہو۔ نہ جانے اس کی ذہنی رو اس وقت کہاں بہک رہی تھی۔

''میں کبھی یقین نہیں کروں گا کہ بن غازی کے محافظ کا ہیرو کوئی غدار ہو سکتا ہے۔''

کمانڈنٹ بھی بولے بغیر نہ رہا۔ ''ضرور یہ کوئی خطرناک غلط فہمی ہوئی ہے۔''

''سر دست ان کے ساتھ قیدیوں جیسا سلوک نہ کیا جائے۔'' بریگیڈیئر نے خود کیپٹن سنگھ کو ہدایت کی۔

''یس، سر۔'' کہتے ہوئے کیپٹن سنگھ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ کیونکہ وہ ہیری کو بستر پر پڑے پڑے ہاتھوں کی انگلیوں سے تانے بانے بناتے دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اچانک انھیں دیکھ کر بولا۔

''ارے، جاؤ تم لوگ۔ میں اس وقت ایک خوبصورت خواب دیکھ رہا ہوں۔ پھر کسی نے میرے انڈے چرا لیے ہیں۔''

آفیسرز کچھ نہ بولے۔ وہ سنجیدگی سے باہر نکل آئے۔ کیپٹن انھیں ان کی کار تک چھوڑنے باہر آیا اور پھر سلیوٹ کرتے ہوئے انھیں رخصت کر کے واپس لوٹ گیا۔ اس وقت

ہیری کمرے میں بالکل اکیلا تھا۔اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

''کیا تم مجھے بھی نہیں پہچانتے، ہیری؟ میں وہی سیکنڈ لیفٹننٹ مہندر سنگھ ہوں۔تمہارا مہندر سنگھ۔'' سنگھ نے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

''سنگھ...کس کے سنگھ...کیا تم بارہ سنگھے ہو۔''ہیری نے ہندوستانی میں کہا۔

''تمہیں کیا ہوگیا ہے، دوست؟ کتنے شاندار آدمی تھے تم اور یہ درگت۔'' یہ کہہ کر وہ اداس پلٹ کر دروازے کی طرف چلنے لگا۔اسے ہیری کی یہ حالت دیکھ کر سخت صدمہ ہوا تھا۔

''کیپٹن سنگھ۔'' اسے ایک آواز نے چونکا دیا۔اس نے پلٹ کر دیکھا۔سوائے ہیری کے اور تو کوئی نہیں تھا۔وہ ہیری کی طرف دوڑ پڑا۔

''کیا تم نے مجھے بلایا، ہیری؟ کیا تم نے مجھے آواز دی؟'' وہ اپنے کانوں پر یقین نہ کرتے ہوئے بیقراری سے پوچھنے لگا۔

''ہاں۔میں نے بلایا تھا۔''ہیری نے آہستہ سے بولا۔

''ارے،تو تمہاری یادداشت لوٹ آئی۔''سنگھ خوشی سے اچھل پڑا۔

''وہ کہیں نہیں گئی تھی۔میں نے کسی طرح ہندوستان پہنچنے کے لیے یہ ڈھونگ رچایا تھا۔''

ہیری کے اس جواب نے سنگھ کو سکتے میں ڈال دیا۔

''ارے،یعنی اتنا خطرناک رسک لیا تھا تم نے؟''

''سنگھ،انسان اپنی محبت کی خاطر کیا کچھ نہیں کر گزرتا۔یقین مانو، جب کسی کے کراہنے کی وہ آواز سنائی دیتی ہے تو میرا کلیجہ منہ کو آجاتا ہے۔میرا دل بولتا تھا کہ ضرور میری بیوی،میری جودی کسی مصیبت میں ہے۔اس کی روح میرے لیے تڑپ رہی ہے۔خدا جانے کیا راز ہے اس میں،لیکن میرا دل کہتا ہے کہ وہ سوائے جودی کے اور کسی کی نہیں ہوسکتی۔

''میں کچھ نہیں سمجھا، ہیری۔کیا تمہاری بیوی ہندوستان میں ہے؟'' سنگھ نے

پوچھا۔

''ہاں۔'' وہ سرد سانس لے کر بولا۔ اور پھر اس نے سنگھ کو پوری کہانی سنا دی۔

''اوہ، تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟''

''اور اب بھی اس لیے بتا رہا ہوں کہ تم میری مدد کرو۔''

''میں تمہارے لیے سب کچھ کر سکتا ہوں۔ بتاؤ، کیا چاہتے ہو؟''

''مجھے یہاں سے نکل جانے دو۔ تم اتفاق سے مل گئے ہو، ورنہ مجھے یہاں سے نکلنے میں بڑی دقت ہوتی۔ میرا دل اپنی جودی کو دیکھنے کے لیے بری طرح تڑپ رہا ہے۔ سنگھ، میں بیان نہیں کر سکتا کہ ہندوستان پہنچ کر میں اس سے ملنے کے لیے کتنا بیقرار ہوں۔ میرے اچھے دوست، خدا کے لیے مجھے یہاں سے نکل جانے دو۔'' وہ سنگھ کے ہاتھ تھام کر التجا کرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ڈھلک رہے تھے۔

''تمہیں کوئی روک نہیں سکتا، ہیری۔ اور کوئی تمہارے راستے میں آیا تو میں اسے گولی مار دوں گا۔'' سنگھ نے جوش میں بھر کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''مگر بیڈ خالی ہوا تو میری تلاش شروع ہو جائے گی۔''

''میں تمہاری جگہ لیٹ جاتا ہوں، تم میرے کپڑے پہن کر نکل جاؤ۔'' سنگھ نے پیش کش کی۔

''اور جو تم پر مصیبت آئی تو؟''

''میری پرواہ نہ کرو، دوستی کی خاطر اس قربانی سے مجھے سچی خوشی حاصل ہوگی۔''

چنانچہ جب ہیری باہر نکلا تو ایک کپتان کی وردی میں تھا۔ باہر موجود سپاہیوں نے خیال بھی نہ کیا کہ کون سا آفیسر ہے، کیونکہ یہاں روز نئے نئے آفیسر آیا کرتے تھے۔ اس نے سنگھ کی جیپ کار سنبھالی اور روانہ ہو گیا۔

☆☆☆☆☆☆

انتظار کے بعد

کرکی میں ہیری کو دیکھ کر بعض لوگ چونک پڑے۔انھیں یہ چہرہ پہچانا ہوا نظر آیا، لیکن وہ صرف چونک ہی سکے، آگے کسی کی ہمت نہ ہوئی کہ اس سے کوئی بات کرتا۔ان کا چونکنا بھی بغیر کسی وجہ کے نہیں تھا۔

ہیری ڈی سلوا کے مکان پر جب پہنچا تو برآمدہ سونا پڑا تھا۔پھر وہ اپنے مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔دروازے پر دستک دیتے دیتے اس نے ہاتھ روک لیا۔اس نے سوچا وہ اچانک ہی اس کے سامنے پہنچ کر اسے چونکا دے گا اور اس وقت جودی تو خوشی سے پاگل ہو جائے گی، جب وہ اسے اس طرح اچانک اپنی آنکھوں کے سامنے کھڑا دیکھے گی۔چنانچہ اس نے ایک دم دروازہ زور سے دھکیل دیا۔وہ کھل گیا، مگر وہ چونک پڑا۔اندر کوئی دوسری ہی عورت ایک کرسی پر نیم دراز تھی اور اس کے سامنے اس کے بچے کھیل رہے تھے۔

''ایکسیوزمی۔'' وہ جھینپ کر پیچھے ہٹ گیا۔وہ عورت جو لباس سے دیسی عیسائی معلوم ہوتی تھی، اٹھ کر دروازے پر آ گئی۔

''فرمایئے، آپ کسے پوچھ رہے ہیں؟'' اس نے سوال کیا۔

''جودی، وہ یہاں رہتی تھی۔'' کیپٹن ہیری نے گلوگیر آواز میں پوچھا۔اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

''کوئی عورت پہلے رہتی تو تھی یہاں، لیکن شاید محلے والوں نے اسے بھگا دیا یہاں سے۔سنا تھا وہ کسی انگریز افسر کی داشتا تھی۔'' اس نے بتایا۔

جواب دینے کی بجائے، ہیری اسے خونخوار نظروں سے گھورتا ہوا پیچھے ہٹ آیا۔اور وہ حیرت سے اس کی کیفیت دیکھنے لگی۔وہ تیزی سے ڈی سلوا کے مکان پر پہنچا اور زور زور سے

Akram Allahabadi

دروازہ پیٹنے لگا۔مسز ڈی سلوا نے خود ہی دروازہ کھولا،لیکن ہیری کو دیکھتے ہی پہلے تو وہ چونکی،پھر اس کا چہرہ زرد ہوگیا۔''مسٹر ہیری،اندر آجایے۔''وہ پیچھے ہٹ گئی اور ہیری اندر داخل ہوگیا۔

''جودی کہاں ہے؟''اس نے بیقراری سے چاروں طرف دیکھ کر اس سے پوچھا۔

''جودی...بے چاری۔''مسز ڈئی سلوا گلوگیر ہوگئی۔

''خدا کے لیے جلدی بتاؤ مجھے،میرا دل دھڑک رہا ہے۔''

''وہ آپ کا انتظار کرتے کرتے کبھی کی رخصت ہوچکی ہے۔''یہ کہتے کہتے وہ منہ ڈھانپ کر رونے لگی۔

''کیا...؟''ہیری سکتے میں آگیا۔''کیا کہا تم نے؟''اس نے کھوئے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہاں،محلے والوں نے اسے طعنے دے دے کر اس کا جینا مشکل کر دیا تھا۔بیچاری کو ٹی بی ہوگئی۔''

''ٹی بی...؟''ہیری کے منہ سے نکلا۔

''ہاں،بس ہر وقت آپ کا نام رٹا کرتی تھی،انھیں دیکھے بغیر میں چین سے مر نہیں سکوں گی۔''

''جودی...''ہیری پھوٹ کر رو پڑا۔

''میں نے اسے مشن اسپتال میں داخل کروا دیا اور...وہاں وہ ایک دن چل بسی۔''

یہ کہتے ہوئے خود بھی رومال منہ میں دبا کر سسکیاں لینے لگی۔ہیری کے آنسو تھم ہی نہیں رہے تھے۔دیکھتے ہی دیکھتے وہ کوئی پرانا بیمار نظر آنے لگا۔

''مگر اس کی چٹھیاں تو مجھے برابر ملتی رہتی تھیں۔کہیں تم میری محبت کا امتحان تو نہیں لے رہی؟''ہیری کسی خیال سے سر اٹھا کر بولا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

اور قبر پرسکون ہوگئی

نہیں، چھٹیاں میں ہی اس کی طرف سے لکھتی تھی۔اسپتال جاتے ہوئے وہ مجھے یسوع مسیح کی قسم دے کر مجھ سے یہ وعدہ لے کر گئی تھی کہ میں آپ کو اس کی خیریت کے خط اس کی طرف سے لکھتی رہا کروں، تاکہ آپ کہیں لڑائی کے میدان میں صبر اور ہمت نہ کھو بیٹھیں۔وہ تمام چٹھیاں میرے ہاتھ کی لکھی ہیں۔''

''اف۔''ہیری نے نچلا ہونٹ دانتوں میں چبالیا۔''پھر کیا ہوا؟''

''مجھے معلوم نہیں، کیونکہ اس نے مشن اسپتال میں خود کو لاوارث لکھوا دیا تھا، وہاں بھی اس نے آپ کا نام اس نے اس لیے نہیں لکھوایا کہ کہیں اس کی بیماری کی اطلاع اسپتال والے آپ کو نہ دے دیں اور آپ کی شادی کا راز کھل جانے پر آپ کسی مصیبت میں پڑ جائیں۔''مسز ڈی سلوا نے بتایا۔

''او ہندوستانی عورت، تو مریم کی طرح پاکیزہ اور بلند تھی۔''ہیری نمناک آنکھوں سے چھت کو گھورتے ہوئے بڑبڑایا۔''وہ کہاں سو رہی ہے، مسز ڈی سلوا، خدا کے لیے مجھے بتاؤ مجھے؟ یقیناً اس کی روح میرا انتظار کر رہی ہوگی۔وہ اس کی روح کی بے چین کراہیں تھیں جو میں سنا کرتا تھا۔اف، وہ اب تک میرا انتظار کر رہی ہے۔وہ کہاں ہے؟ وہ کہاں ہے؟ بتاؤ نا، میری جودی زمین کے کس حصے میں دفن ہے؟''وہ تقریباً چیخنے لگا۔

''یہ تو مشن اسپتال سے ہی معلوم ہوگا۔مجھے تو خود اس کی موت کا حال کئی دن بعد معلوم ہوا تھا۔''ہیری کچھ اور بولے بغیر اٹھ کھڑا ہوا۔مسز ڈی سلوا نے روکنا چاہا، مگر وہ یہ کہہ کر کہ،''اب میرے پاس وقت ہی کہاں ہے۔کاش، میں اور جلدی پہنچ سکتا۔اف، میرے پاس وقت ہی کہاں''، تیزی سے باہر نکل گیا۔وہ اب ہوا کی طرح اپنی کار خلد آباد مشن اسپتال کی

طرف دوڑا رہا تھا۔

''فادر...،کوئی ملنے آیا ہے۔''پیر خان نے فادر جیکسن کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر کہا۔

''میں آتا ہوں۔''فادر یہ کہتے ہوئے باہر نکل آئے۔

وہ ایک انگریز فوجی افسر کو سامنے دیکھ کر حیرت سے اس کی شکل دیکھنے لگے۔بھلا رات کے وقت جب گیارہ بج چکے تھے،گرجا میں نہ آ کر کسی کو یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی۔ وہ سوالیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔ہیری کا چہرہ ایک دم زرد ہو رہا تھا۔

''فادر، کیا آپ مجھے بتا سکیں گے کہ اب سے چار چھ ماہ پہلے اس قبرستان میں جودی نام کی کوئی لڑکی دفن کی گئی تھی؟''ہیری نے اس سے پوچھا۔

''آں...''فادر جیکسن ذہن پر زور دینے لگا۔''مگر اس وقت تو بتانا قطعی ناممکن ہے۔ آپ صبح تشریف لائیں تو گرجا کے رجسٹر میں دیکھ کر بتایا جا سکتا ہے۔''فادر جیکسن نے کہا۔

''پلیز، فادر، میرے لیے یہ بہت ضروری ہے۔''ہیری نے التجا کی۔

''لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہ کام صبح سے پہلے نہیں ہو سکتا۔اب تو سب کچھ بند ہو چکا ہے۔''

''فادر، میں بری طرح نڈھال ہو رہا ہوں۔میرے پاس زیادہ وقت نہیں۔''ہیری نے پھر کہا۔

''میں کہہ چکا ہوں کہ ممکن ہوتا تو تو میں آپ کو مایوس نہ کرتا۔''یہ کہہ کر وہ کچھ اور سنے بغیر اندر چلے گئے اور دروازہ بند ہو گیا۔مجبوراً اسے لوٹنا پڑا۔

''سویرے ہی آ جایے نا، صاحب۔''پیر خان نے اسے سمجھایا۔

''سویرے۔''ہیری کھوئے ہوئے انداز میں بولا۔''اچھا تو میں یہیں ٹھہر کر سویرے کا انتظار کروں گا۔''یہ کہہ کر وہ کسی کٹے ہوئے لٹھے کی طرح قبرستان کی دیوار کے نزدیک ایک دم بیٹھ گیا۔اس کے چہرے پر پسینے کے قطرات چھلک آئے تھے، حالانکہ ہوا کافی

خنک تھی۔

''ٹھہرنا ہی صاحب ہے،تو چل کر میرے جھونپڑے میں آرام کیجیے۔''پیر خان نے اخلاقاً کہا۔

''نہیں، میں یہیں ٹھیک ہوں، مجھے رہنے دو۔تم اپنا کام کرو۔''ہیری نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

''آپ کی مرضی۔میرا نام پیر خاں ہے،کوئی ضرورت ہوتو آواز دے لیجیے گا۔یہ کہتا ہوا پیر خاں لالٹین سنبھالے آگے بڑھ گیا۔ہیری نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگا۔اس وقت اس کی دل کی ہر دھڑکن جودی کا نام رٹ رہی تھی۔

لیکن نہ جانے آوارہ ہواؤں نے اس کے کان میں کیا کہہ دیا،اور وہ چونک کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگ۔ایک ہی لمحے بعد اسے وہی آواز پھر سنائی دی۔

کراہنے کی وہی دردناک آواز، جو اسے محاذِ جنگ پر سنائی دی تھی، جو اسے ویران ریگستان میں، جرمن کیمپ میں اور ہر جگہ سنائی دیتی رہی تھی۔جودی کی تڑپتی روح کی پکار۔اس کی روحانی اذیت کا اظہار۔

اس کے کان کھڑے ہوگئے اور وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔کراہنے کی آواز پھر سنائی دی تھی۔اور وہ سوائے جودی کے اور کسی کی نہیں ہوسکتی تھی۔اس جودی کی جسے مرے ہوئے مہینوں گزر چکے تھے۔

''پیر خان...پیر خان...''وہ زور زور سے چیخنے لگا۔

''کیا ہے، صاحب؟''اسے کچھ دیر بعد پیر خان کا جواب ملا۔وہ لالٹین لیے اسی طرف آرہا تھا۔شاید اس وقت گشت لگانے نکلا تھا۔

''یہ کیسی آواز ہے؟ یہ کون کراہ رہا تھا قبرستان میں؟''اس نے پیر خاں سے پوچھا۔

''اوہ..صاحب، یہ آواز ایک قبر سے سنائی دیتی ہے، بلکہ کبھی کبھی اس کا تکیہ بھی لرز

اٹھتا ہے۔فادر کا خیال ہے کہ یا تو اس مردے کی روح پر کوئی شدید عذاب نازل ہوتا ہے، یا وہ کوئی نہ ختم ہونے والی تکلیف میں مبتلا ہے۔اللہ اس کے گناہ معاف کرے۔'' پیر خاں نے کہا۔

''نہیں، اس نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔گناہ میں نے کیا ہے۔میں نے اسے اذیت دی ہے۔'' وہ پھر کر بولا۔''کہاں ہے وہ قبر؟''

''وہ کیا ہے...اُدھر..اس درخت کے نیچے۔'' پیر خاں نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے اشارہ کیا۔

اور ہیری بے اختیار، جودی، جودی، چیختا ہوا اس کی طرف دوڑ پڑا۔

''صاحب، ادھر نہ جایئے، نہ جانے کیا آسیب ہے۔'' پیر خاں اس کے پیچھے لالٹین لے کر چیختا ہوا دوڑا۔اور یہ شور سن کر فادر جیکسن بھی باہر نکل آئے۔وہ آگے پیچھے دوڑتے رہے۔پیر خاں اسے آواز دیتا رہا اور ہیری ''جودی...جودی..'' چیختا رہا۔یہاں تک کہ وہ اس کے قبر کے پاس پہنچ گیا، جس سے کسی کے کراہنے کی آواز نکل رہی تھی۔

''جودی...'' وہ زور سے چیخا۔اور آس پاس کی قبروں کو دیکھنے لگا۔ٹھیک اسی وقت اس قبر کا تکیہ بید مجنوں کی طرح کانپنے لگا اور اس بار جو کراہنے کی آواز اس قبر سے سنائی دی، اس میں ایک عجیب سی مسرت جھلک رہی تھی۔

''جودی..'' ہیری حلق پھاڑ کر چیخا اور دھاڑا مارتا ہوا اس کی قبر پر گر کر اس سے لپٹ گیا۔

''میری جودی...بہت دیر ہو گئی مجھے...مگر میں آ گیا ہوں...اور اب کبھی تمہیں چھوڑ کر نہ جاؤں گا۔'' وہ اس کی قبر پر آنسوؤں سے تر آنکھیں ملتا ہوا کانپتی آواز میں بڑبڑانے لگا۔

پیر خاں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، جب اس نے دیکھا کہ اب نہ تو اس قبر کا تکیہ ہل رہا ہے اور نہ کراہنے کی آواز پھر سنائی دی، بلکہ اس کی جگہ ماحول پر ایک گہرا ٹھنڈا اور خوشگوار سکوت چھا گیا۔اس دن سے پھر کبھی اس قبر سے کراہنے کی آواز نہیں سنائی دی۔

اور اب اس گرجا میں ایک کی جگہ دو پادری رہتے ہیں۔ایک فادر جیکسن اور دوسرا

فادر ہیری ہالورتھ۔ پیر خاں ایک ہی ہے، لیکن اکیلا وہ بھی نہیں ہے۔ تہ تمام روحیں اس کی دوست ہیں، جو اس قبرستان میں برسہابرس سے سوئی ہوئی ہیں۔

☆☆☆ ختم شد ☆☆☆

Akram Allahabadi